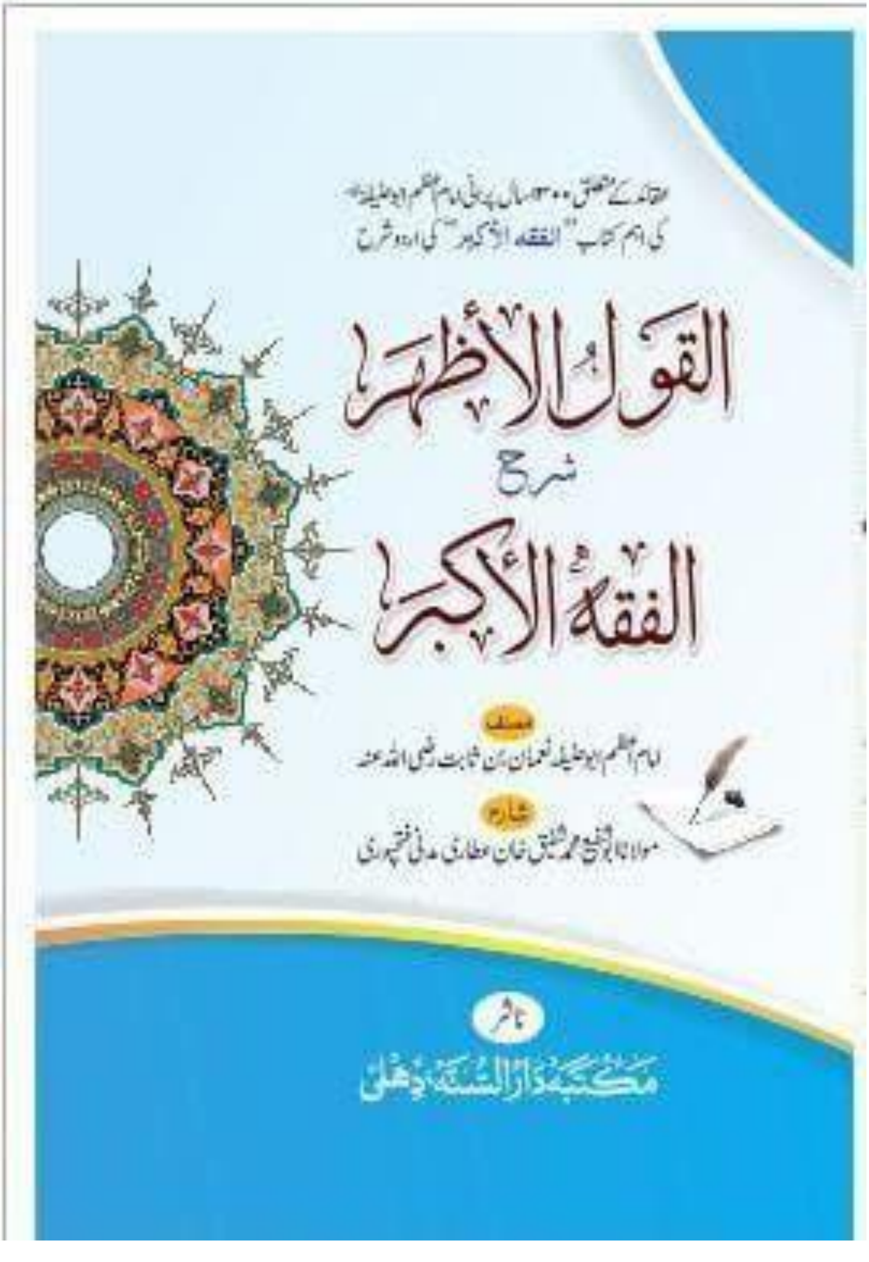

عقائد کے متعلق ۱۳۰۰ سال پرانی امام اعظم ابوحنیفہ
کی اہم کتاب "الفقہ الاکبر" کی اردو شرح
القول الأظهر
شرح
الفقه الأكبر
مصنف
امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ
شارح
محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری
ناشر
مکتبہ دار السنہ دہلی

الحمد للہ اللطیف و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الشفیق اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ وعلی الک و اصحابک یا حبیب اللہ ﷺ

عقائد کے متعلق ۱۳۰۰ سال پرانی امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اہم کتاب "الفقہ الاکبر" کی اردو شرح

اَلْقَوْلُ الْاَظْہَر

شرح

اَلْفِقْہُ الْاَکْبَر

اس کتاب میں ہے

☆... مصنف کا تعارف ☆... شارح کا تعارف ☆... عبارت مع اعراب

☆... سلیس اردو ترجمہ ☆... سوالاً جواباً متن کی شرح ☆... تہتر فرقوں کا اجمالی خاکہ

مصنف

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت علیہ رحمۃ اللہ الماجد

شارح

مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

ناشر: مکتبہ دار السنہ دہلی

کتاب کانام	:	القول الاظہر شرح الفقہ الاکبر
مصنف	:	امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ
شارح	:	ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری
باہتمام	:	الحاج محمد رحمت نواز انصاری نقشبندی حیدرآبادی، شکاگو امریکہ
صفحات	:	192
تعداد	:	1100
سن طباعت	:	ربیع الآخر 1444ھ NOVEMBER 2022
ناشر	:	مکتبہ دار السنہ اردو مارکیٹ مٹیا محل جامع مسجد دہلی(110006)
		رابطہ نمبر:+918808693818

کلماتِ مسرت

الحمدللہ عزوجل مجھے یہ کلمات لکھتے ہوئے بیحد خوشی محسوس ہورہی ہے کہ میرے مشفق و معاون الحاج محمد رحمت نواز انصاری نقشبندی حیدرآبادی حال مقیم شکاگو امریکہ نے میری اس تصنیف کو پسند فرمایا اور عوامِ ملّتِ اسلامیہ کے سامنے منظرِ عام پر لانے کے لئے طباعت کے تمام تر اخراجات اپنے ذمے لے کر اس کارِ خیر میں حصہ لیا۔

اللہ الکریم کی بارگاہِ عظیم میں دعا گو ہوں کہ موصوف کی اس کوشش کو قبول فرما کر بہترین جزا عطا فرمائے اور دین و دنیا کی بھلائیاں عطا فرمائے، زمینی و آسمانی بلاؤں سے حفاظت فرمائے اور ان کی بے حساب مغفرت فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

نوٹ: میں اپنے جملہ قارئین سے التجا کرتا ہوں کہ اس کتاب کی کمپوزنگ سے لے کر تصحیح تک کے سارے مراحل بنظرِ غائر طے کئے گئے ہیں لیکن بتقاضائے بشریت غلطی کا امکان موجود ہے لہذا جو بھی اس کتاب کی اغلاط سے مطلع ہو وہ اس میل ایڈی پر ضرور اطلاع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈشن میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔

EMAIL: SHAFIQMADANI26@GMAIL.COM

دعائے خیر کا طالب

ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

فہرست

چاند کس دن دکھے گا معلوم کرنے کا فارمولہ

سوال: ہر قمری مہینے کی پہلی تاریخ کس دن ہو گی؟ معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: جس سنہ ہجری کے قمری مہینے کی پہلی تاریخ کا دن معلوم کرنا ہو اس کے سنہ کو ۸ سے تقسیم کر دیں، تقسیم کرنے کے بعد جو باقی بچے اس کو جدول میں دیئے ہوئے عدد کے سامنے مہینہ اور دن دیکھیں۔ مثلاً سنہ ۱۴۴۲ ہجری کی پہلی شوّال المکرم کس دن ہو گی؟ پس ۱۴۴۲ کو ۸ سے تقسیم کیا تو باقی ۲ بچا، اب ۲ کے سامنے اور شوّال کے نیچے دیکھا تو جمعہ نکلا، اور واقعی پہلی شوّال ۱۴۴۲ ہجری کو جمعہ تھا۔ پس اس قاعدے اور جدول کی مدد سے آپ گزرے ہوئے اور آنے والے قمری مہینوں کی پہلی تاریخ کا دن معلوم کر سکتے ہیں۔

عدد	ربیع الآخر رمضان	جمادی الاولی	محرّم شوّال	جمادی الاخری ذی القعدہ	صفر رجب	ربیع الاوّل ذی الحجہ	شعبان
1	سنیچر	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ
2	بدھ	جمعرات	جمعہ	سنیچر	اتوار	پیر	منگل
3	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ	سنیچر	اتوار
4	جمعہ	سنیچر	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات
5	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ	سنیچر	اتوار	پیر
6	اتوار	پیر	منگل	بدھ	جمعرات	جمعہ	سنیچر
7	جمعرات	جمعہ	سنیچر	اتوار	پیر	منگل	بدھ

نوٹ: علم ہیئت، علمِ توقیت، علمِ تقویم اور علمِ طب کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے ملاحظہ فرمائیں کتاب بنام "تسلیم التوقیت" مصنف: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

تعارفِ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ

سیّدُنا امامِ اعظم ابو حنیفہ کا نامِ نامی نُعمان، والِدِ گرامی کا نام ثابِت اور کُنْیَت **ابو حنیفہ** ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۷۰ھجری میں عراق کے مشہور شہر ''کُوفے''میں پیدا ہوئے اور ۸۰ سال کی عمر میں ۲ شَعبانُ الْمُعظَّم (۱۵۰) ہجری میں وفات پائی۔

(نُزھۃُ الْقارِی ج۱ ص۱۶۹، ۲۱۹)

اور آج بھی بغداد شریف میں آپ کا مزارِ فائض الانوار مَرجَعِ خَلائِق ہے۔

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ تابعی ہیں

سیّدُنا امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے مختلف رِوایات کے تَحت چند صَحابۂ کِرام علیہم الرضوان سے ملاقات کا شَرَف حاصل کیا ہے اور بعض صَحابۂ کرام علیہم الرضوان سے براہِ راست سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے ارشادات بھی سنے ہیں۔ چُنانچِہ حضرتِ سیّدُنا واثِلَہ بِن اَسْقَع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُن کر امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رِوایت بیان فرمائی ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب، حبیبِ لبیب، طبیبوں کے طبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا فرمانِ عبرت نشان ہے: اپنے بھائی کی **شَماتَت** نہ کر (یعنی اُس کی مصیبت پر اظہارِ مُسرَّت نہ کر) کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اُس پر رَحم کرے گا اور تجھے اس میں مبتَلا کر دے گا۔ (سُنَنِ تِرمِذی ج۴ ص۲۲۷ حدیث ۲۵۱۴)

ہے نام نُعمان ابنِ ثابِت، ابو حنیفہ ہے ان کی کُنیَت
پکارتا ہے یہ کہہ کے عالَم، امامِ اعظم ابو حنیفہ

(وسائلِ بخشش ص ۲۸۳)

حنفیوں کے لئے مغفرت کی بِشارت

سیِّدُنا امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم نے اپنی زندگی میں پَچپن(۵۵) **حج** کئے۔ جب آخِری بار حج کی سعادت حاصل کی تو خُدّامِ کعبہ مُشَرَّفہ نے آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خواہِش پر بابُ الکعبہ کھول دیا، آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ بَصَد عجز و نیاز اندر داخِل ہوئے اور بیتُ اللہ کے دو سُتُونوں کے درمیان کھڑے ہو کر دو ۲ رَکعَت میں پورا قرآنِ پاک خَتْم کیا، پھر دیر تک رو رو کر مُناجات کرتے رہے، آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ مشغول دعا تھے کہ بیتُ اللہ کے ایک گوشے (یعنی کونے) سے آواز آئی: **"تم نے اچّھی طرح ہماری مَعرِفت** (یعنی پہچان) **حاصِل کی اور خُلوص کے ساتھ خدمت کی، ہم نے تم کو بخشا اور قِیامت تک جو تمہارے مذہب پر ہو گا** (یعنی تمہاری تقلید کرے گا) **اُس کو بھی بخش دیا۔"** (دُرِّمُختار ج ۱ ص ۱۲۶۔۱۲۷) اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ ہم کس قَدَر خوش نصیب ہیں کہ حضرتِ سیِّدُنا امامِ اعظم ابو حنیفہ عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کا دامنِ کرم ہمارے ہاتھوں میں آیا۔

مَروں شہا ! زیرِ سبز گنبد، ہو میرا مدفن بقیعِ غَرقد
کرم ہو بَہرِ رسولِ اکرم ، امامِ اعظم ابو حنیفہ

(وسائلِ بخشش ص ۲۸۳)

روضۂ شاہِ اَنام سے جواب سلام

ہمارے امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم پر شَہَنشاہِ اُمم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا بے حد لُطف و کرم تھا۔ مدینۂ منوَّرہ زَادَھَا اللہُ شَرَفاً وَّ تَعْظِیْماً میں جب آپ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکارِ نامدار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے روضۂ پُر انوار پر اس طرح سلام عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْن تو روضۂ انور سے جواب کی آواز آئی: وَعَلَیْكَ السَّلَامُ یَا اِمَامَ الْمُسْلِمِیْن۔ (تذکرۃُ الاولیاء ص۱۸۶ انتشارات گنجینہ تہران)

تمہارے دربار کا گدا ہوں ، میں سائلِ عشقِ مصطفٰے ہوں
کرو کرم بہرِ غوثِ اعظم ، امامِ اعظم ابو حنیفہ

(وسائلِ بخشش ص۲۸۳)

تاجدارِ رسالت کی بِشارت

سیِّدُنا امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تَحصیلِ علم سے فراغت حاصل کرلی تو گوشہ نشینی کی نیَّت فرمائی۔ ایک رات جنابِ رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ میٹھے میٹھے مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: **"اے ابو حنیفہ! اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کو میری سنَّت زندہ کرنے کیلئے پیدا فرمایا ہے، آپ گوشہ نشینی کا ہر گز قصد** (یعنی ارادہ) **نہ کریں۔"** (تذکرۃُ الاولیاء ص۱۸۶)

عطا ہو خوفِ خدا خدارا، دو الفتِ مصطفٰے خدارا
کروں عمل سنّتوں پہ ہر دم، امامِ اعظم ابو حنیفہ

(وسائلِ بخشش ص۲۸۳)

دن رات کے معمولات

جنابِ رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے خواب میں تشریف لاکر سیِّدُنا امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم کی حوصلہ افزائی فرمائی اور سُنَّتوں کی خدمت کا حکم

دیا، جس کے نتیجے میں ہمارے امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم کا سُنَّتوں کی خدمت کی مصروفیت اور ذوقِ عبادت مُلاحَظہ ہو۔ چُنانچِہ حضرتِ مِسْعَر بِن کِدام علیہ رَحمۃُ اللّٰہِ السَّلام فرماتے ہیں: ''میں **امامِ اعظم ابو حنیفہ** عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم کی مسجِد میں حاضِر ہوا، دیکھا کہ نمازِ **فَجر** ادا کرنے کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو سارا دِن **علمِ دین** پڑھاتے رہتے، اِس دوران صِرف نَمازوں کے وَقفے ہوئے۔ بعد نَمازِ عشاء آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی دولت سَرا (یعنی مکانِ عالیشان) پر تشریف لے گئے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد سادہ لباس میں ملبوس خوب عِطر لگا کر فَضائیں مہکاتے، اپنا نورانی چہرہ چمکاتے ہوئے پھر آکر مسجِد کے کونے میں نوافِل میں مشغول ہوگئے یہاں تک کہ صبحِ صادِق ہوگئی، اب درِ دولت (یعنی مکانِ عالیشان) پر تشریف لے گئے اور لباس تبدیل کرکے واپَس آئے اور نَمازِ فجر باجماعت ادا کرنے کے بعد گزَشتہ کل کی طرح عِشاء تک سلسلۂ درس و تدریس جاری رہا۔ میں نے سوچا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بَہُت تھک گئے ہوں گے، آج رات تو ضَرور آرام فرمائیں گے، مگر دوسری رات بھی وُہی معمول رہا۔ پھر تیسرا دن اور رات بھی اِسی طرح گزرا۔ میں بے حد مُتَأَثِّر ہوا اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ عمر بھر ان کی خدمت میں رہوں گا۔ چُنانچِہ میں نے ان کی مسجِد ہی میں مستقل قِیام اختِیار کرلیا۔ **میں نے اپنی مدّتِ قِیام میں، امامِ اعظم** عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم **کو دن میں کبھی بے روزہ اور رات کو کبھی عبادت و نوافِل سے غافِل نہیں دیکھا۔** البتّہ ظہر سے قَبل آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھوڑا سا آرام فرمالیا کرتے تھے۔ (اَلْمَناقِب لِلْمُوَفَّق ج۱ص۲۳۰تا۲۳۱ کوئٹہ)

حضرتِ سیِّدُنا ابنِ ابی مُعاذ رحمۃُاللہ تعالٰی علیہ کی رِوایت ہے، مِسْعَربِن کِدام علیہ رَحمۃُ اللہِ السَّلام بے حد خوش نصیب تھے کہ ان کی وفات **امامِ اعظم** عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کی مسجِد میں **سَجدے** کی حالت میں ہوئی۔(اَیضاً ص۲۳۱)

جو بے مثال آپ کا ہے تقویٰ، تو بے مثال آپ کا ہے فتویٰ
ہیں علم و تقویٰ کے آپ سنگم، امامِ اعظم ابو حنیفہ

(وسائلِ بخشش ص۲۸۳)

تیس سال مسلسل روزے

"اَلْخَیْرَاتُ الْحِسان" میں ہے، آپ نے مسلسل **تیس سال روزے رکھے**، تیس سال تک ایک رَکعَت میں قرآنِ پاک خَتْم کرتے رہے، چالیس (بلکہ ۴۵) سال تک عِشاء کے وُضُو سے فجر کی نَماز ادا کی، **جس مقام پر آپ کی وفات ہوئی اُس مقام پر آپ نے سات ہزار بار قرآنِ پاک خَتْم کئے۔** حضرتِ سیِّدُنا عبداللہ بن مبارَک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے سامنے امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم پر کسی نے اعتِراض کیا تو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: "کیا تم ایسے شخص پر اعتِراض کرتے ہو جس نے پینتالیس سال تک پانچوں نَمازیں ایک ہی وُضو سے ادا کیں اور وہ ایک رَکْعَت میں پورا قرآن کریم خَتْم کرلیتے تھے اور میرے پاس جو کچھ فِقْہ ہے وہ انہیں سے سیکھا ہے۔" روایت میں ہے: شُروع میں آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ ساری رات عبادت نہیں کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک بار کسی کو یہ کہتے ہوئے سُن لیا کہ "ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ساری رات سوتے نہیں ہیں۔"

چُنانچِہ اُس کے حُسنِ ظن کی لاج رکھتے ہوئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام رات عبادت شُروع کر دی۔(اَلْخَیْرَاتُ الْحِسان ص۵۰)

تری سخاوت کی دھوم مچی ہے، مُراد منہ مانگی مل رہی ہے
عطا ہو مجھ کو مدینے کا غم، امامِ اعظم ابو حنیفہ

(وسائلِ بخشش ص۲۸۳)

ماہِ رمضان میں 62 خَتمِ قراٰن

امام ابو یُوسُف رحمۃُ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: امامِ اعظم عَلَیْہ رَحمَۃُ اللہ الاکرم رَمَضانُ المبارَك میں مَع عیدالفِطر ۶۲ قرآنِ پاک خَتْم کرتے،(دن کو ایک، رات کو ایک، تراویح کے اندر سارے ماہ میں ایک اور عید کے روز ایک) اور مال میں سخاوت کرنے والے تھے، علم سکھانے میں صابِر(یعنی صبر کرنے والے) تھے، اپنے حق میں کئے جانے والے اعتِراضات کو سنتے تھے، غصّے سے کوسوں دور تھے۔(اَلْخَیْرَاتُ الْحِسان ص۵۰)

اُستاد کے مکان کی طرف پاؤں نہ پھیلاتے

"اَلْخَیْرَاتُ الْحِسان "میں ہے: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندگی بھر اپنے استاذِ محترم سیِّدُنا امام حَمّادعلیہ رحمۃُ اللہ الجواد کے مکانِ عَظَمت نشان کی طرف پاؤں پھیلا کر نہیں لیٹے حالانکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکانِ عالی شان اور استاذِ محترم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْاَکْرَم کے مکانِ عظیم الشّان کے درمِیان تقریباً سات گلیاں پڑتی تھیں۔

(اَلْخَیْرَاتُ الْحِسان ص۸۲)

اہلِ زمانہ میں سب سے زائد عَقْلمند

ہمارے امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم کے پاس علمِ دین کا زبردست ذخیرہ تھا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بَہُت زیادہ عَقْلمند تھے۔ "**اَلْخَیْرَاتُ الْحِسان**" میں ہے، حضرتِ سیِّدُنا امامِ شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زائد عقلمند کسی عورت نے نہیں جنا۔" سیِّدُنا بکر بن جَیْش رحمۃُ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "اگر امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہلِ زمانہ کی عَقلوں کو جمع کیا جائے، تو امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عقل سب پر غالِب آجائے۔" (اَلْخَیْرَاتُ الْحِسان ص ۶۲)

جان دے دی مگر حکومتی عُہدہ قبول نہ کیا

عبّاسی خلیفہ منصور نے امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم سے عرض کی کہ آپ میری **مملکت** (مَم۔لَ۔کَت) کے قاضِیُ الْقُضاۃ (یعنی چیف جج) بن جایئے۔ فرمایا: میں اِس عُہدے کے قابِل نہیں۔ **منصور** بولا: آپ جھوٹ کہتے ہیں۔ **فرمایا:** اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو آپ نے خود ہی فیصلہ کر دیا! جھوٹا شخص قاضی بننے کے لائق ہی نہیں ہوتا۔ خلیفہ **منصور** نے اس بات کو اپنی توہین تصوُّر کرتے ہوئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جیل بھجوا دیا۔ روزانہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرِ مبارَک پر **دس کوڑے** مارے جاتے جس سے خون سرِ اقدس سے بہہ کر ٹَخنوں تک آجاتا، اِس طرح مجبور کیا جاتا رہا کہ قاضی بننے کیلئے ہامی بھرلیں، مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکومتی عُہدہ قَبول کرنے کیلئے راضی نہ ہوئے۔ اِسی

طرح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یَومِیَّہ دس کے حساب سے ایک سو دس کوڑے مارے گئے۔ لوگوں کی ہمدردیاں امامِ اعظم عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْاَکْرَم کے ساتھ تھیں۔ بِالآخِر دھوکے سے **زَہر کا پیالہ** پیش کیا گیا، مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مومِنانہ فِراست سے **زَہر** کو پہچان گئے اور پینے سے انکار فرما دیا، اس پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لٹا کر زبردستی حَلق میں **زَہر** اُنڈیل دیا گیا، **زَہر** نے جب اپنا اثر دکھانا شُروع کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ خُداوندی میں سجدہ رَیز ہوگئے اور سَجدے ہی کی حالت میں ۱۵۰ہجری میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جامِ شہادت نوش کیا۔(اَلْخَیْراتُ الْحِسان ص۸۸۔۹۲)

اس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر شریف ۸۰ برس تھی۔ بغدادِ معلّٰی میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزارِ فائض الانوار آج بھی مَرجَعِ خَلائق ہے۔

پھر آقا بغداد میں بلا کر، وہ روضہ دِکھلایئے جہاں پر
ہیں نور کی بارِشیں چھما چھم، امامِ اعظم ابو حنیفہ
(وسائلِ بخشش ص۲۸۳)

مزارِ امامِ اعظم کی برکتیں

مفتیٔ حِجاز شیخ شِہابُ الدّین احمد بن حَجَرھَیْتَمِی مَکّی شَافِعِی عَلَیْہ رَحمَۃُ اللہ القوی اپنی مشہور کتاب ''اَلْخَیْراتُ الْحِسان فِی مَناقِبِ النُّعمان ''کے باب نمبر ۳۵ جس کے عُنوان میں یہ بھی ہے، ''آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قَبْر شریف کی زیارت حاجتیں پوری ہونے کیلئے مُفید ہے ''میں فرماتے ہیں: جاننا چاہیئے کہ علَما اور دیگر حاجت مند حضرات آپ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار شریف کی مسلسل زیارت کرتے رہتے ہیں اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر اپنی حَوائج (یعنی حاجتوں) کے لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بناتے ہیں اور اس میں کامیابی پاتے ہیں، ان میں سے (حضرتِ سیِّدُنا) **امام شافعی** عَلَیْہ رَحمَۃُ اللہ القوی بھی ہیں، جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغداد میں تھے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مُتَعلِّق مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں (حضرتِ سیِّدُنا امام) ابو حنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے تَبَرُّک حاصِل کرتا ہوں، اور جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو دو رَکعَت پڑھ کر ان کی قَبْرِ انور کے پاس آتا ہوں اور اُس کے پاس اللہ عَزَّوَجَلَّ سے دُعا کرتا ہوں تو وہ حاجت جلد پوری ہو جاتی ہے۔(اَلْخَیْراتُ الْحسان ص ۹۴)

جگر بھی زخمی ہے دل بھی گھائل، ہزار فِکریں ہیں سو مسائل
دُکھوں کا عطّارؔ کو دو مرہم، امامِ اعظم ابو حنیفہ
(وسائلِ بخشش ص ۲۸۳)

امامِ اعظم رضی اللہ تَعَالیٰ عنہ کو بخش دیا گیا

حضرت سیِّدُنا جعفر بن حسن رحمۃ اللہ تَعَالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تَعَالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا: "مَا فَعَلَ اللہُ بِکَ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟" جواب دیا: "مجھے بخش دیا گیا۔"

(مناقب الامام الاعظم للموفق بن احمد المکی، الباب الثامن والعشرون، ج ۲، ص ۱۸۶)

حضرت سیِّدُنا عبد الحمید بن عبد الرحمن جمانی رحمۃ اللہ تَعَالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تَعَالیٰ عنہ کو یوں دیکھا گویا کہ

ایک ستارہ آسمان سے گر پڑا ہے، اور کہا گیا: یہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تَعَالٰی عنہ ہیں۔ پھر دوسرا ستارہ گرا تو کہا گیا: یہ حضرت سیِّدُنا مسعر رحمۃ اللہ تَعَالٰی علیہ ہیں۔ پھر تیسرا ستارہ گرا تو کہا گیا: یہ حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ تَعَالٰی علیہ ہیں۔ چنانچہ، تینوں میں سب سے پہلے حضرت سیِّدُنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تَعَالٰی عنہ کا انتقال ہوا، پھر حضرت سیِّدُنا مسعر رحمۃ اللہ تَعَالٰی علیہ کا اور آخر میں حضرت سیِّدُنا سفیان ثوری رحمۃ اللہ تَعَالٰی علیہ کا ہوا۔

حضرت سیِّدُنا صدقہ رحمۃ اللہ تَعَالٰی علیہ مستجابُ الدعوات بزرگ تھے، فرماتے ہیں کہ جب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تَعَالٰی عنہ کو خیزران کے قبرستان میں دفن کیا گیا تو میں نے تین رات مسلسل یہ آواز سنی:

ذَهَبَ الْفِقْهُ فَلاَ فِقْهَ لَكُمْ

فَاتَّقُوْا اللهَ وَكُوْنُوْا خَلَفَا

مَاتَ النُّعْمَانُ فَمَنْ هٰذَا الَّذِی

يُحْيِیْ لَيْلَهٗ إِنْ سَجَفَا بَعْدُ

ترجمہ: (۱) فقیہہ چلا گیا، اب تمہارے پاس ایسا فقیہہ کوئی نہیں، لہٰذا اللہ عَزَّوَجَلَّ سے ڈرو اور امام اعظم رضی اللہ تَعَالٰی عنہ کے بہترین جانشین بنو۔

(۲) امام اعظم نعمان بن ثابت رضی اللہ تَعَالٰی عنہ کا وصال ہو گیا۔ تو اب کون ہے جو اُن کے بعد تاریک راتوں میں بیدار رہے۔ (حکایتیں اور نصیحتیں ص ۳۳۶)

صَلُّوْا عَلَى الْحَبِيْب! صَلَّى اللهُ عَلٰى مُحَمَّد

شارح کا تعارف

نام محمد شفیق خان، والد کا نام محمد شریف خان ہے، سلسلۂ قادریہ رضویہ عطاریہ میں شیخِ طریقت امیرِ اہلسنت بانئ دعوتِ اسلامی حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ سے ۲۰۰۴ء میں بیعت ہونے کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ عطاری لکھتے ہیں، آپ کی ولادت قصبہ لَلَوْلِیْ ضلع فتح پور ہنسوا صوبہ یوپی ہند میں ہوئی، آپ کی تاریخِ پیدائش ۱۰ جون ۱۹۸۶ء ہے۔

مولانا نے ابتداءً ہندی انگلش کی تعلیم حاصل کر کے سن ۲۰۰۰ء میں AC کا کام سیکھنے اور کرنے کے لئے بمبئ چلے گئے تھے اور وہاں پر ۴ سال قیام کیا پھر ۲۰۰۴ء میں اپنے وطن لوٹے، اور وطن میں ہی دعوتِ اسلامی کا مدنی ماحول ملا، دعوتِ اسلامی کے مدنی ماحول سے وابستہ ہونے کے بعد مختلف کورسز کئے اور ۲۰۰۶ء میں اپنے ہی علاقہ کے دار العلوم بنام جامعہ عربیہ گلشنِ معصوم قصبہ للولی میں قاری اقبال احمد عطاری سے قرآنِ پاک ناظرہ اور حضرت مولانا عتیق الرحمٰن مصباحی سے درسِ نظامی کے درجۂ اولی اور کچھ درجۂ ثانیہ کی کتابیں پڑھی، اس کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے چریاکوٹ ضلع مؤ تشریف لے گئے اور وہاں درجۂ ثانیہ مکمل کرنے کے بعد اہلسنت کے عظیم علمی ادارے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ میں مطلوبہ درجۂ ثالثہ کا ٹسٹ دیا اور بفضلہ تعالی کامیاب ہونے کے بعد درجۂ ثالثہ وہیں پڑھی، پھر درجۂ رابعہ دار العلوم غوثیہ (جو ضلع اعظم گڑھ کے گاؤں سَرَیَّا میں واقع ہے) میں مکمل کی پھر اس کے بعد دعوتِ اسلامی کے جامعۃ المدینہ فیضانِ عطار

نیپال گنج، نیپال میں داخلہ لیا اور درجۂ خامسہ سے دورۂ حدیث تک کی تعلیم وہیں مکمل فرمائی، ۲۰۱۴ء میں فراغت کے بعد تدریس کے لئے دعوتِ اسلامی کے جامعۃ المدینہ فیضانِ صدیقِ اکبر آگرہ تشریف لے گئے اور ایک سال وہاں تدریس فرمائی، پھر مزید تدریس کے لئے دعوتِ اسلامی کے مدنی مرکز کے حکم پر بنگلہ دیس کے دار الحکومت ڈھاکہ کے جامعۃ المدینہ تشریف لے گئے، اور وہیں پر دعوتِ اسلامی کے جامعات کے درجۂ ثانیہ میں چلنے والی علمِ صرف کی کتاب بنام مراح الارواح کی اردو شرح بنام **شفیق المصباح** تصنیف فرمائی۔

اس کے بعد پھر جامعۃ المدینہ فیضانِ صدیقِ اکبر آگرہ تشریف لاکر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ موصوف کو بے بہا برکات و ثمرات سے نوازے اور اس کارہائے نمایہ کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا کر کے موصوف کے لئے توشۂ آخرت بنائے آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

شارح کی اصلاحی کتب

1☆...**مافعل اللہ بک (حصہ اول)**

2☆...**مافعل اللہ بک (حصہ دوم)**

3☆...**مافعل اللہ بک (حصہ سوم)**

4☆...**میری سنت میری امت**

5☆...**کیا حال ہے؟**

6☆...**اسلامی احکام کی حکمتیں حصہ اول موضوع عقائد کی حکمتیں**

7☆...**اسلامی احکام کی حکمتیں حصہ دوم موضوع پانچ نمازوں کی حکمتیں**

8☆... قرآنی سورتوں کے مضامین

9☆... سب سے پہلے سب سے افضل

10☆... موت کے وقت

11☆... امتِ محمدیہ کے سوالات اور ان کے قرآنی جوابات

12☆... علوم رضا کی جھلکیاں

13☆... خطبات مصطفائی و خطبات شفیقی

شارح کی درسی کتب

1☆... شفیق المصباح شرح مراح الارواح

2☆... شفیقیہ شرح الاربعین النوویہ

3☆... شفیق النحو لحل تمارین خلاصۃ النحو (حصہ اول)

4☆... شفیق النحو لحل تمارین خلاصۃ النحو (حصہ دوم)

5☆... اَلشَّفِیْق شرح تیسیر مصطلح الحدیث

6☆... شارق الفلاح شرح نور الایضاح

7☆... القول الاظہر شرح الفقہ الاکبر

8☆... عرفان الاثار شرح معانی الاثار

9☆... صرف کے دلچسپ سوالات

10☆... تسلیم التوقیت

صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب! صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّد

الحمد للہ اللطیف و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الشفیق اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ و السلام علیك یا رسول اللہ ﷺ

و علی الك و اصحابك یا حبیب اللہ ﷺ

درود شریف کی فضیلت

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ، وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِيئَاتٍ، وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ۔

ترجمہ: جس نے مجھ پر ایک بار دُرُودِ پاک پڑھا اللہ عزوجل اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، دس گناہ مٹاتا ہے اور دس دَرَجات بُلند فرماتا ہے۔(نَسائی ص ۲۲۲ حدیث ۱۲۹۴)

صَلُّوا عَلَى الْحَبِيْب! صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى مُحَمَّد

چھ چیزیں چھ میں حسین ہوتی ہیں

(۱)علم عمل میں۔ (۲)عدل بادشاہ میں۔ (۳)سخاوت اغنیاء میں۔ (۴)توبہ شباب میں۔ (۵)صبر فقر میں۔ (۶)حیا عورتوں میں۔

علم بے عمل اس گھر کی طرح ہے جس کی چھت نہ ہو۔ بادشاہ بے عدل اس کنوئیں کی طرح ہے جس میں پانی نہ ہو۔ اور اگر دولتمند میں سخاوت نہ ہو تو وہ اس بادل کی طرح ہے جس میں بارش نہ ہو۔ شباب بے توبہ اس درخت کی طرح ہے جس پر پھل نہ ہو۔ فقیر بے صبر اس چراغ کی طرح ہے جس میں روشنی نہ ہو۔ اور عورت بے حیا اس طعام کی طرح ہے جس میں نمک نہ ہو۔

(روح البیان ج ۲ ص ۱۰۷)

لہذا عالم کو چاہئے کہ اپنے علم پر عمل کر کے اپنی عمارت کی چھت بنائے اور خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے۔ دولتمند کو چاہئے کہ وہ اپنی دولتمندی کے بادل سے ایسے برکات کی بارش برسائے کہ جس سے دین و دنیا سیراب ہو یعنی ایسے سبب بنائے کہ مردہ دلوں کو سیرابی ہو کہ دین و دنیا کی محتاجی دور ہو جائے، اس لئے کہ اللہ تعالی محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

(روح البیان ج ۲ ص ۱۰۷۔۱۰۸)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿﴾

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

1: بَيَانُ اُصُوْلِ الْاِيْمَانِ:

اَصْلُ التَّوْحِيْدِ وَ مَا يَصِحُّ الْاِعْتِقَادُ عَلَيْهِ. يَجِبُ اَنْ يَقُوْلَ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ الْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ شَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى ، وَالْحِسَابُ وَ الْمِيْزَانُ وَ الْجَنَّةُ وَ النَّارُ حَقٌّ كُلُّهٗ۔

ترجمہ: توحید کی اصل اور جس پر عقیدہ رکھنا صحیح ہوتا ہے اس کے لئے یہ کہنا واجب ہے کہ میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر اور اس پر کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہے اور قیامت کے دن حساب اور میزان اور جنت اور جہنم تمام کے تمام حق ہیں۔

سوال: ”الفقہ الاکبر“ نامی کتاب کس فن میں ہے؟

جواب: الفقہ الاکبر نامی کتاب فنِّ عقائد (علم الکلام) میں ہے۔

سوال: عقیدہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: عقیدہ ان دینی امور کا نام ہے جن پر دل بغیر کسی شک وشبہ اور تردد کے پختہ ہو جائے۔ کیونکہ دین کے کسی معاملے میں شک وشبہ اور تردد کفر ہے۔

سوال: عقائد میں کتنے اور کون کون سے امام ہیں؟

جواب: عقائد میں دو امام ہیں : (۱) شیخ ابوالحسن اشعری ۔(۲) شیخ ابو منصور ماتریدی۔

حضرت امام شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کرنے والوں کو "اشعریہ" کہتے ہیں۔ ۲۔امام الھدٰی، حضرت ابو منصور ماتریدی کے ماننے والوں کو "ماتریدیہ" کہا جاتاہے۔ احناف، عقائدِ فرعیہ میں انہیں کے مقلد ہیں۔صدرالشریعہ ،بدرالطریقہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ" دونوں جماعتیں (اشعریہ،ماتریدیہ)اہل سنت ہی کی ہیں اور دونوں حق پر ہیں آپس میں صرف بعض فروع کا اختلاف ہے، ان کا اختلاف حنفی،شافعی کاساہے کہ دونوں اہل حق ہیں کوئی کسی کی تضلیل وتفسیق نہیں کر سکتا۔

(بہار شریعت جہیز ایڈیشن، حصہ اول،ج۱،ص۴۶ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

سوال: اصول کسے کہتے ہیں ؟

جواب:اصول اصل کی جمع ہے جس کے معنی جڑ کے ہیں اور اصول سے مراد وہ قوانین ہوتے ہیں جن پر کسی علم یا فن کی بنیاد ہوتی ہے۔

سوال: ایمان کالغوی واصطلاحی معنی کیاہے؟

جواب:ایمان کے لغوی معنی امن دینے کے ہیں۔اصطلاح شریعت میں ایمان ان اسلامی عقائد کانام ہے جنہیں مان کر انسان عذاب الہٰی سے امن میں آجاتاہے،یعنی تمام ان چیزوں کو ماننا جو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللہ کی طرف سے لائے،چونکہ ایمان محض ماننے اور

تصدیق کا نام ہے اس لئے اس میں مقدار ممکن نہیں ہے، کیفیت کی کمی زیادتی ممکن ہے۔(مرأۃ المناجیح جلد ا ص ۴۲ اسلامک پبلیشر)

سوال: ''اصل التوحید'' سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اصل التوحید سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ توحید کی اصل ضروریات دین ہیں کہ ان سب پر اجمالی ایمان لانا ضروری ہے۔

سوال: ''ومایصح الاعتقاد علیہ'' سے کیا مراد ہے؟ اور ضروریاتِ دین کی تعریف کیا ہے؟

جواب: اس سے بھی مراد ضروریات دین ہے، اور ضروریات کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ ضروریاتِ دین وہ مسائلِ دین ہیں جن کو ہر خاص و عام جانتے ہوں، جیسے اللہ عزوجل کی وحدانیت، انبیاء کی نبوت، جنت ونار، حشر ونشر وغیرہا۔

("شرح العقائد النسفیۃ"، مبحث الإیمان، ص ۱۲۰)

مثلاً یہ اعتقاد کہ حضور اقدس صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، حضور (صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم) کے بعد کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔

("الھندیۃ"، کتاب السیر، الباب في أحکام المرتدین، ج۲، ص۲۶۳)(بہار شریعت جلد ا ص ۱۷۲ مکتبۃ المدینہ)

سوال: عوام سے مراد کون لوگ ہیں؟

جواب: عوام سے مراد وہ مسلمان ہیں جو طبقۂ علما میں نہ شمار کئے جاتے ہوں، مگر علماء کی صحبت سے شرفیاب ہوں اور مسائلِ علمیہ سے ذوق رکھتے ہوں ("الفتاوی الرضویۃ"، کتاب الطھارۃ، باب الوضوء، ج۱، ص۱۸۱۔)، نہ وہ لوگ جو چھوٹے گاؤں (جسے کوئی نہ جانتا ہو اور نہ

ہی وہاں تعلیم کا کوئی سلسلہ ہو۔) اور جنگل اور پہاڑوں کے رہنے والے ہوں جو کلمہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے، کہ ایسے لوگوں کا ضروریاتِ دین سے ناواقف ہونا اُس ضروری کو غیر ضروری نہ کر دے گا، البتہ ان کے مسلمان ہونے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ ضروریاتِ دین کے منکر نہ ہوں اور یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ اسلام میں جو کچھ ہے حق ہے، ان سب پر اِجمالاً ایمان لائے ہوں۔(بہار شریعت جلد ۱ ص ۱۷۲۔173 مکتبۃ المدینہ)

سوال: ’’یجب ان یقول‘‘ سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مکلف کا اپنی اس زبان سے جو اس کے دل کے موافق ہو علم یقینی حاصل ہونے کے بعد کہنا فرضِ عین ہے۔

(شرح الفقہ الاکبر ص17)

سوال: اللہ عزوجل پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ عزوجل پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ عزوجل اپنی ذات وصفات اور جملہ اوصاف و کمالات میں یکتا و بے مثل و بے مثال ہے، اس کا کوئی ساجھی و شریک نہیں، اور نہ کوئی اللہ عزوجل کا ہم پلہ یا ہم مرتبہ ہے۔

سوال: فرشتے کیا ہیں؟

جواب: فرشتے اجسامِ نوری ہیں، اللہ تَعالیٰ نے اُن کو یہ طاقت دی ہے کہ جو شکل چاہیں بن جائیں،("منح الروض الأزہر"، ص ۱۲) کبھی وہ انسان کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی دوسری شکل میں۔("الحبائک في أخبار الملائک" للسیوطي، ص ۴.)

وہ وہی کرتے ہیں جو حکمِ الٰہی ہے، خدا کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے، نہ قصداً، نہ سہواً، نہ خطاً، وہ اللہ عزوجل کے معصوم بندے ہیں، ہر قسم کے صغائر و کبائر سے پاک ہیں۔ ("تفسیر الکبیر"، پ ا، البقرۃ ،ج۱، ص۳۸۹، تحت الآیۃ:۳۰)فرشتے نہ مرد ہیں، نہ عورت۔("شرح المقاصد"،المبحث السابع الملائکۃ،ج۳،ص۳۱۸.) اُن کو قدیم ماننا یا خالق جاننا کفر ہے۔

سوال: فرشتوں کی تعداد کتنی ہے؟ نیز سب سے افضل فرشتے کون سے ہیں؟

جواب: ان کی تعداد وہی جانے جس نے ان کو پیدا کیا(پ۲۹،المدثر:۳۱.)اور اُس کے بتائے سے اُس کا رسول۔ چار فرشتے سب فرشتوں سے افضل ہیں، ان کے نام یہ ہیں: جبریل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل علیہم السلام اور یہ سب ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں۔

("التفسیر الکبیر"، البقرۃ: تحت الآیۃ:۳۰،ج۱،ص۳۸۶)

سوال: اللہ تَعَالٰی کی کتابوں سے کون سی کتابیں مراد ہیں؟ نیز کیا ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے؟

جواب: بہت سے نبیوں پر اللہ تَعَالٰی نے صحیفے اور آسمانی کتابیں اُتاریں، اُن میں سے چار کتابیں بہت مشہور ہیں:"تورات" حضرت موسیٰ علیہ السلام پر،"زبور" حضرت داوٗد علیہ السلام پر، "اِنجیل" حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر، "قرآنِ عظیم" جو کہ سب سے افضل کتاب ہے، سب سے افضل رسول حضور پُر نور احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفٰے صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم

پر۔ سب آسمانی کتابیں اور صحیفے حق ہیں اور سب کلام اللہ ہیں، اُن میں جو کچھ ارشاد ہوا سب پر ایمان ضروری ہے۔("تفسیر الخازن"، پ۳، البقرۃ:۲۸۵، ج۱، ص۲۲۵)

سوال: "رسلہ" سے مراد کون ہیں؟

جواب: متن میں مذکور "رسله" سے مراد نبی ورسول دونوں ہیں۔

سوال: نبی اور رسول کی کیا تعریف ہے؟

جواب: نبی اُس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تَعَالٰی نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو۔

("المعتقد المنتقد"، الباب الثاني في النبوّات، ص۱۰۵)

اور انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَام میں سے جو نئی شریعت لائے ان کو رسول کہتے ہیں۔

سوال: نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

جواب: نبی اور رسول میں دو طرح سے فرق ہے:(۱)ایک فرق تو وہی جو دونوں کی تعریف میں مذکور ہوا یعنی نبی نئی شریعت نہیں لاتا جبکہ رسول نئی شریعت لے کر آتا ہے۔(۲)اور دوسرا فرق یہ کہ رسول کے لئے انسان ہونا ضروری نہیں بلکہ رسول فرشتوں میں بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں بھی، جبکہ نبی صرف انسانوں میں ہوتے ہیں۔

("تفسیر الطبري"، پ۱۲، ہود: تحت الآیۃ۶۹)

جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے کہ انبیا سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔(پ۱۲، یوسف:۱۰۹)

("نسیم الریاض"، القسم الأول في تعظیم العلی الأعلی لقدر النبي، ج۳، ص۳۴۴)

سوال: کیا آدمی عبادت وریاضت کے ذریعے نبوت حاصل کر سکتا ہے؟

جواب: نبوّت کسبی نہیں کہ آدمی عبادت و رِیاضت کے ذریعہ سے حاصل کرسکے۔("المعتقد المنتقد"، ص۱۰۷)بلکہ محض عطائے الٰہی ہے، کہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے دیتا ہے، ہاں! دیتا اُسی کو ہے جسے اس منصبِ عظیم کے قابل بناتا ہے، جو قبلِ حصولِ نبوّت تمام اخلاق رذیلہ سے پاک، اور تمام اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر جملہ مدارجِ ولایت طے کر چکتا ہے اور اپنے نسب و جسم و قول و فعل و حرکات و سکنات میں ہر ایسی بات سے منزّہ ہوتا ہے جو باعثِ نفرت ہو، اُسے عقلِ کامل عطا کی جاتی ہے، جو اوروں کی عقل سے بدرجہا زائد ہے("المسایرۃ" و"المسامرۃ"، شروط النبوۃ، ص۲۲۶)، کسی حکیم اور کسی فلسفی کی عقل اُس کے لاکھویں حصّہ تک نہیں پہنچ سکتی۔

("الحلیۃ"، ج۴، ص۲۹۔۳۰، الحدیث:۴۶۵۲.)

سوال: نبیوں اور رسولوں کی تعداد کے متعلق ہمارا عقیدہ کیا ہے؟ نیز ان کی تعظیم کرنے کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: نبیوں اور رسولوں کی کوئی تعداد معین کرنا جائز نہیں کیونکہ اس بارے میں مختلف روایتیں آئی ہیں اور نبیوں کی کسی خاص تعداد پر ایمان لانے میں یہ احتمال ہے کہ کسی نبی کی نبوت کا انکار ہو جائے یا غیر نبی کو نبی مان لیا جائے اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔

(شرح العقائد النسفیۃ، مبحث اول الانبیاء آدم علیہ السلام، ص ۳۰۲ و بہارِ شریعت، عقائد متعلقہ نبوت، ۱/ ۵۲ موضحا)

اس لئے یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ہر نبی پر ہمارا ایمان ہے۔ کیونکہ مسلمان کے لیے جس طرح اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ذات و صفات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی طرح ہر نبی کی نبوت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

نبی کی تعظیم فرضِ عین بلکہ اصلِ تمام فرائض ہے۔ ("جواہر البحار"، ج۳، ص۲۶۰) کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب، کفر ہے۔

("تفسیر روح البیان"، پ۱۰، التوبۃ، ج۳، ص۳۹۴، تحت الآیۃ:۱۲)

انبیائے کرام، تمام مخلوق یہاں تک کہ رُسُلِ ملائکہ سے افضل ہیں۔

(پ۷، الأنعام:۸۶.)

ولی کتنا ہی بڑے مرتبہ والا ہو، کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جو کسی غیرِ نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے، کافر ہے۔ ("منح الروض الأزہر" ص۱۲۱)

سوال: کیا موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لانا ضروری ہے؟ نیز اس کی کچھ وضاحت فرمائیں۔

جواب: جی ہاں! موت کے بعد قیامت میں دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان لانا ضروری ہے کہ اس کا بیان قرآنِ عظیم میں موجود ہے جیسے کہ پارہ ۱۸ سورۂ مؤمنون کی آیت نمبر ۱۶ میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔

ترجمۂ کنزالایمان: پھر تم سب قیامت کے دن اُٹھائے جاؤ گے۔

اور پارہ ۲۳ سورۂ یٰس کی آیت نمبر ۷۹ میں ارشاد ہوا:

قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُۙ۔

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ انھیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے۔

پس قیامت بیشک قائم ہوگی، اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

("الشفا"، فصل في بیان ماھو من المقالات، ج۲، ص۲۹۰)

حشر صرف رُوح کا نہیں، بلکہ روح و جسم دونوں کا ہے، جو کہے صرف روحیں اٹھیں گی جسم زندہ نہ ہوں گے، وہ بھی کافر ہے۔

("المعتقد المنتقد"، ھل الروح أیضاً جسم فلاحشر إلاّ جسماني؟، ص۱۸۱)

دنیا میں جو رُوح جس جسم کے ساتھ متعلق تھی اُس رُوح کا حشر اُسی جسم میں ہوگا، یہ نہیں کہ کوئی نیا جسم پیدا کر کے اس کے ساتھ روح متعلق کر دی جائے۔

("تفسیر روح البیان"، ج۹، ص۱۰۴)

جسم کے اجزا اگرچہ مرنے کے بعد متفرق ہوگئے اور مختلف جانوروں کی غذا ہوگئے ہوں، مگر اللہ تَعَالٰی ان سب اجزا کو جمع فرما کر قیامت کے دن اٹھائے گا ("البدور السافرة في أمور الآخرة"، للسیوطي، ص۴۱)، قیامت کے دن لوگ اپنی اپنی قبروں سے ننگے بدن، ننگے پاؤں، نَاخَتْنَہ شُدہ (بغیر ختنہ کئے ہوئے) اٹھیں گے۔

(."صحیح مسلم"، کتاب الجنة وصفة نعیمها وأھلها، باب فناء الدنیا... إلخ، الحدیث: ۲۸۶۹، ص۱۵۲۹)

سوال: کیا ہر اچھی اور بری تقدیر اللہ تَعَالٰی کی جانب سے ہے؟

جواب: جی ہاں! ہر بھلائی، بُرائی اُس نے اپنے علمِ اَزلی کے موافق مقدّر فرمادی ہے، جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا، اپنے علم سے جانا اور وہی لکھ لیا تو یہ نہیں کہ جیسا اُس نے لکھ دیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے، بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا اُس نے لکھ دیا۔ زید کے ذمّہ برائی لکھی اس لیے کہ زید برائی کرنے والا تھا، اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا وہ اُس کے لیے بھلائی لکھتا تو اُس کے علم یا اُس کے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کر دیا۔

("شرح النووي"، کتاب الإيمان، ج۱، ص۲۷)

تقدیر کے انکار کرنے والوں کو نبی صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم نے اس اُمت کا مجوس بتایا۔

("سنن أبي داود"، کتاب السنة، باب الدلیل علی زیادة الإیمان ونقصانه، الحدیث:۴۶۹۱، ۴۶۹۲، ص۱۵۶۷.)

سوال: تقدیر کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: تقدیر کی تین قسمیں ہیں۔

(۱)۔۔۔ مُبرَمِ حقیقی: جو علمِ الٰہی میں کسی شے پر معلّق نہیں۔

(۲)۔۔۔ معلّقِ محض: کہ صُحفِ ملائکہ میں کسی شے پر اُس کا معلّق ہونا ظاہر فرمادیا گیا ہے۔

(۳)۔۔۔ معلّقِ شبیہ بہ مُبرَم: کہ صُحفِ ملائکہ میں اُس کی تعلیق مذکور نہیں اور علمِ الٰہی میں تعلیق ہے۔

وہ جو مُبرَمِ حقیقی ہے اُس کی تبدیل ناممکن ہے، اکابر محبوبانِ خدا اگر اتفاقاً اس بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں تو اُنھیں اس خیال سے واپس فرمادیا جاتا ہے۔

("مکتوبات اِمام ربانی"، فارسی، مکتوب نمبر ۲۱۷، ج ۱، ص ۱۲۳۔ ۱۲۴.)

اور جو ظاہر قضائے معلّق ہے، اس تک اکثر اولیا کی رسائی ہوتی ہے، اُن کی دُعا سے، اُن کی ہمّت سے ٹل جاتی ہے اور وہ جو متوسّط حالت میں ہے، جسے صُحفِ ملائکہ کے اعتبار سے مُبرَم بھی کہہ سکتے ہیں، اُس تک خواص اکابر کی رسائی ہوتی ہے۔ حضور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تَعَالٰی عنہ اسی کو فرماتے ہیں: "میں قضائے مُبرَم کو رد کر دیتا ہوں"۔

(بہار شریعت۔ جلد۔ ۱۔ ص ۱۴)

سوال: کیا قیامت کے دن ہونے والے حساب و کتاب پر ایمان لانا ضروری ہے؟

جواب: جی ہاں! قیامت کے دن ہونے والے حساب و کتاب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ حساب حق ہے، اعمال کا حساب ہونے والا ہے۔ ("شرح العقائد النسفیۃ"، ص ۱۰۴) حساب کا منکر کافر ہے۔ ("الشفا"، فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر، ج ۲، ص ۲۹۰)

قیامت کے دن ہر شخص کو اُس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا، نیکوں کے دہنے ہاتھ میں اور بدوں کے بائیں ہاتھ میں، کافر کا سینہ توڑ کر اُس کا بایاں ہاتھ اس سے پسِ پشت نکال کر پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا۔ (بہار شریعت۔ جلد۔ ۱۔ ص ۱۴۴)

اور حساب کے معنی گنتی و شمار کے ہیں، اور اس سے جن و انس کے اعمال کی گنتی مراد ہے جو قیامت میں سزا و جزا کے لئے بندے کے سامنے کی جائے گی، اس حساب کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہے۔ (مرآۃ المناجیح جلد۔ ۷۔ ص ۲۸۴)

سوال: میزان کیا ہے؟ اور کیا اس پر بھی ایمان ہونا ضروری ہے؟

جواب: میزان حق ہے۔ اس پر لوگوں کے اعمال نیک و بد تولے جائیں گے، نیکی کا پلّہ بھاری ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اوپر اُٹھے، دنیا کا سا معاملہ نہیں کہ جو بھاری ہوتا ہے نیچے کو جھکتا ہے۔ (بہار شریعت۔ جلد۔ا۔ ص۱۴۶) اور اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ اس کا بیان قرآن میں موجود ہے۔ اعلی حضرت مجدد دین وملت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن "فتاوی رضویہ "شریف میں فرماتے ہیں:"وہ میزان یہاں کے ترازو کے خلاف ہے وہاں نیکیوں کا پلّہ اگر بھاری ہو گا تو اُوپر اٹھے گا اور بدی کا پلّہ نیچے بیٹھے گا، جیسے کہ پارہ ۲۲ سورۂ فاطر کی آیت نمبر ۱۰ میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ۔

ترجمۂ کنزالایمان: اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے۔

جس کتاب میں لکھا ہے کہ "نیکیوں کا پلہ نیچا ہو گا" غلط ہے۔

('الفتاوی الرضویۃ"، ج۲۹، ص۶۲۶)

سوال: جنت کا معنی کیا ہے؟ اور یہ کیا چیز ہے؟

جواب: جنت کے معنی ہیں گھنا باغ جس میں درختوں کی وجہ سے زمین چھپی ہو۔ جیم نون ملیں تو اس میں پوشیدگی کے معنی ہوتے ہیں، اسی سے ہے جن، جنون، جنتی، جنہ، چونکہ جنت میں گھنے درخت ہیں، نیز وہ دنیا میں نگاہوں سے چھپی ہے، عالم غیب میں سے ہے اس لئے اسے جنت کہتے ہیں۔ جنت کی تین قسمیں ہیں: کسبی، وہبی، عطائی۔ کسبی

جنتی وہ ہیں جو اعمال سے جنت میں جائیں گے، وہی وہ جو کسی جنتی کے طفیل جنت میں جائیں گے جیسے مسلمانوں کے چھوٹے بچے، عطائی جنتی وہ مخلوق جو جنت کو پُر کرنے کے لئے پیدا کی جائیں گی مگر دوزخ صرف کسبی ہے، اپنی کرنی اپنی بھرنی۔ (مر آۃ المناجیح جلد۔۷۔ ص۳۴۸)

جنت ایک مکان ہے کہ اللہ تعَالیٰ نے ایمان والوں کے لیے بنایا ہے، اس میں وہ نعمتیں مہیا کی ہیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا، نہ کسی آدمی کے دل پر ان کا خطرہ گزرا۔ جو کوئی مثال اس کی تعریف میں دی جائے سمجھانے کے لیے ہے، ورنہ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ شے کو جنت کی کسی چیز کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔ (بہار شریعت جلد۔۱۔ ص۱۵۲)

سوال: نار کا کیا معنی ہے؟ اور دوزخ کیا ہے؟

جواب: نار اور نور دونوں کا مادہ ایک ہے، نار کی جمع نیران ہے اور نور کی جمع نیاریا انیار ہے۔ نار کے معنی ہیں آگ، نور کے معنی ہیں روشنی۔ شریعت میں جہاں نار آتا ہے اس سے مراد دوزخ کی آگ ہوتی ہے، اہلِ نار سے مراد کفار ہوتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ گنہگار مسلمان اگرچہ کچھ دن دوزخ میں رہیں گے مگر وہ اہلِ نار نہیں کہے جاتے۔ اہلِ خانہ وہ ہوتے ہیں جو گھر میں ہمیشہ رہیں چند روزہ مہمان اہل خانہ نہیں ہوتا ایسے ہی اہلِ نار وہ ہے جو ہمیشہ دوزخ میں رہے۔ (مر آۃ المناجیح جلد۔۷۔ ص۳۸۵)

دوزخ ایک مکان ہے کہ اُس قہار و جبار کے جلال و قہر کا مظہر ہے۔ جس طرح اُس کی رحمت و نعمت کی انتہا نہیں کہ انسانی خیالات و تصورات جہاں تک پہنچیں وہ ایک شَمّہ (سوچی یا سمجھی) ہے اُس کی بے شمار نعمتوں سے، اسی طرح اس کے غضب و قہر کی کوئی حد

نہیں کہ ہر وہ تکلیف و اذیت کہ اِدراک کی ("مسند أبي يعلى"، الحديث: ۶۱۶۴، ج۵، ص۳۷۹.) جائے، ایک ادنیٰ حصہ ہے اس کے بے انتہا عذاب کا۔ قرآنِ مجید و احادیث میں اس کی سختیاں مذکور ہیں۔(بہار شریعت جلد۔ا۔ص۱۶۳)

سوال: "حَقٌّ كُلُّہٗ" سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مذکورہ بالا تمام چیزیں حق و ثابت ہیں جن کا بیان قرآن و حدیث میں مذکور ہے، ان سب کی دل سے تصدیق کرنا، ایمان اور ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے۔

2: وَحْدَانِیَّۃُ اللہِ تَعَالٰی:

وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَاحِدٌ لَا مِنْ طَرِیْقِ الْعَدَدِ وَ لٰکِنَّ مِنْ طَرِیْقٍ اَنَّہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ(۱) اَللّٰہُ الصَّمَدُ(۲) لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ(۳) وَ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ(۴)لَا یُشْبِہُ شَیْئاً مِنَ الْاَشْیَاءِ مِنْ خَلْقِہٖ، وَ لَا یُشْبِھُہٗ شَیْءٌ مِنْ خَلْقِہٖ، لَمْ یَزَلْ وَلَا یَزَالُ بِاَسْمَائِہٖ وَ صِفَاتِہِ الذَّاتِیَۃِ وَ الْفِعْلِیَّۃِ۔

ترجمہ: اور اللہ تَعَالٰی ایک ہے گنتی کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ اس کا کوئی شریک نہیں (جیسے کہ قرآنِ پاک کے سورۂ اخلاص میں مذکور ہے) تم فرماؤ: وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنم دیا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور کوئی اس کے برابر نہیں۔ اور وہ اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے کسی چیز کے مشابہ نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ ہے، اور وہ اپنے اسمائے حسنیٰ اور ذاتی و فعلی صفات کے ساتھ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔

سوال: اس باب میں کس چیز کو بیان کیا جارہا ہے؟

جواب: اس باب میں امامِ اعظم رضی اللہ عنہ معنیٔ توحید کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ اللہ تَعَالٰی ایک ہے۔

سوال: لفظِ "واحد" اور "احد" کی تشریح بیان کریں۔

جواب: لفظِ واحد وحدۃ سے بنا ہے جس کے معنی اکیلے ہونے کے ہیں، اور کبھی بے نظیر اور بے مثال کو بھی واحد کہہ دیتے ہیں، لفظِ واحد خالق و مخلوق سب پر بولا جاتا ہے،

مگر لفظِ اَحَد مطلق اللہ تَعَالٰی کے سوا کسی پر نہیں بولتے، واحد حقیقتاً وہ ہے جس کا کوئی جز نہ ہو، اور کٹ، بٹ نہ سکے، اور واحد جب اللہ تَعَالٰی کی صفت ہو تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ ذات وصفات و افعال میں اکیلا اور بے مثل کہ نہ اس کے جز اور نہ وہ کسی کا جز، نہ اس میں کثرت اور زیادتی اور نہ وہ کثرت میں، نہ وہ کسی کی حقیقت اور نہ اس کی کوئی حقیقت، وہ ماہیت وغیرہ سے پاک، ہاں! اس کی شانیں بے شمار ہیں۔

(تفسیرِ نعیمی جلد۔۲۔ص۱۰۷۔رضوی کتاب گھر دہلی)

سوال: کیا اللہ تَعَالٰی عدد کے اعتبار سے ایک ہے؟

جواب: اللہ تَعَالٰی عدد کے اعتبار سے ایک نہیں ہے، کیونکہ ہر عدد کے بعد دوسرا عدد ہوتا ہے، جبکہ اللہ تَعَالٰی کے بعد کوئی دوسرا خدا نہیں، ہاں! اللہ تَعَالٰی اس اعتبار سے ایک ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں، اور وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے، تمام چیزیں اپنے وجود و بقا میں اس کی محتاج ہیں، نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ ہی وہ کسی کا باپ، کیونکہ صفتِ تولد حادث ہے جبکہ اللہ تَعَالٰی حادث نہیں، اور کوئی اس کے برابر نہیں نہ ذات میں اور نہ صفات میں، کیونکہ وہ واجب ہے، خالق ہے، جبکہ باقی تمام چیزیں ممکن، مخلوق اور حادث ہیں، اس کی صفات ذاتی، قدیم اور غیر محدود ہیں، جبکہ مخلوق کی صفات عطائی، حادث اور محدود ہیں۔

سوال: کیا اللہ تَعَالٰی اپنی مخلوق میں کسی کے مشابہ ہے؟

جواب: اللہ تَعَالٰی اپنی مخلوق میں کسی کے مشابہ نہیں کیونکہ وہ واجب الوجود لذاتہ ہے اور اس کے علاوہ تمام چیزیں ممکن الوجود فی حدِّ ذاتہ ہیں، اور اس لئے بھی کہ اللہ تَعَالٰی

صمد، غنی ہے کہ کسی کا محتاج نہیں جبکہ مخلوقات اپنے وجود میں محتاج ہیں جیسے کہ پارہ ۲۶ سورۂ محمد کی آیت نمبر ۳۸ میں اللہ تَعَالٰی نے ارشاد فرمایا:

وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب محتاج ہو۔

سوال: اس عبارت "وَلَا یُشْبِهُهُ شَیْءٌ مِنْ خَلْقِهٖ" سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اصل میں یہ عبارت ماقبل کی عبارت "لَا یُشْبِهُ شَیْئًا مِنَ الْاَشْیَاءِ مِنْ خَلْقِهٖ" کی تاکید و تقریر ہے، جو اللہ تَعَالٰی کے فرمان (لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ)(پ۲۵ الشوری۔۱۱) سے مستفاد ہے۔(منح الروض الازہر ص۲۳) یعنی اللہ تَعَالٰی کی مخلوق میں سے کوئی بھی چیز اللہ تَعَالٰی کے مشابہ نہیں۔

سوال: کیا اللہ تَعَالٰی اپنی ذات و صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا؟

جواب: جی ہاں! اللہ تَعَالٰی اپنے اسمائے حسنی اور ذاتی و فعلی صفات کے ساتھ ازل یعنی ہمیشہ سے ہے اور ابد یعنی ہمیشہ تک رہے گا۔ہاں! ماتریدیہ اور اشاعرہ کے مابین کچھ اختلاف ہے اور وہ یہ کہ ماتریدیہ کے نزدیک اللہ تَعَالٰی کی ذات و صفات سب قدیم ہیں جبکہ اشاعرہ کے نزدیک اللہ تَعَالٰی کی ذات قدیم اور صفاتِ فعلیہ حادث ہیں۔ صفاتِ ذاتیہ وفعلیہ کا بیان ان شاء اللہ عزوجل آئندہ عبارت میں بالتفصیل آرہاہے۔(منح الروض الازہر ص۲۴)

صلوا علی الحبیب صلی اللہ علی محمد

3: اَلصِّفَاتُ الذَّاتِیَۃُ وَ الْفِعْلِیَّۃُ:

اَمَّا الذَّاتِیَۃُ فَالْحَیَاۃُ وَ الْقُدْرَۃُ وَ الْعِلْمُ وَ الْکَلَامُ وَ السَّمْعُ وَ الْبَصَرُ وَ الْاِرَادَۃُ۔ وَ اَمَّا الْفِعْلِیَّۃُ فَالتَّخْلِیْقُ وَ التَّرْزِیْقُ وَ الْاِنْشَاءُ وَ الْاِبْدَاعُ وَ الصُّنْعُ وَ غَیْرُ ذَالِکَ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ ، لَمْ یَزَلْ وَلَا یَزَالُ بِاَسْمَائِہٖ وَ صِفَاتِہٖ ، لَمْ یَحْدُثْ لَہٗ اِسْمٌ وَلَا صِفَۃٌ۔

ترجمہ: رہی (اللہ تَعَالٰی کی صفاتِ ذاتیہ تو وہ (۱) حیات اور (۲) قدرت اور (۳) علم اور (۴) کلام اور (۵) سننا اور (۶) دیکھنا اور (۷) ارادہ کرنا ہیں۔ اور رہی صفاتِ فعلیہ تو وہ پیدا کرنا اور روزی دینا اور ایجاد کرنا اور بغیر مادہ کے پیدا کرنا اور صنعت گری وغیرہ (ان جیسی دیگر صفات بھی) صفاتِ فعلیہ میں سے ہیں۔ اللہ تَعَالٰی اپنے اسمائے حسنیٰ اور جملہ صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اللہ تَعَالٰی کا کوئی نام حادث نہیں ہے اور نہ کوئی صفت (حادث ہے)۔

سوال: اللہ تَعَالٰی کی صفات کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: اللہ تَعَالٰی کی صفات کی دو قسمیں ہیں: (۱) صفاتِ ذاتیہ (۲) صفاتِ فعلیہ۔

سوال: صفاتِ ذاتیہ سے مراد کون سی صفات ہیں؟ اور یہ کتنی ہیں؟

جواب: صفاتِ ذاتیہ سے مراد ایسی صفات ہیں جو اللہ تَعَالٰی کی ذات کے ساتھ ہمیشہ سے متصل ہیں، اور اس سے وہ صفات کسی بھی لمحہ کے لئے جدا نہیں ہو سکتیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے یہاں پر صرف سات صفاتِ ذاتیہ کو بیان فرمایا ہے حالانکہ ان کے

علاوہ اور بھی ہیں جیسے الاحدية فی الذات، الواحدية فی الصفات، الصمدية عن الممكنات، العظمة، الكبرياء وغیرہا۔ (منح الروض الازہر ص ۳۳)

سوال: اللہ تَعَالٰی کی صفتِ ذاتی الحیاۃ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تَعَالٰی کی صفتِ ذاتی الحیاۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تَعَالٰی حَی ہے یعنی خود زندہ ہے اور سب کی زندگی اس کے دستِ قدرت میں ہے، جسے چاہے زندہ کرے اور جسے چاہے موت دے۔ جیسے کہ اللہ تبارک وتَعَالٰی قرآنِ پاک کے پارہ ۳ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۲ میں ارشاد فرماتا ہے:

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

ترجمۂ کنز الایمان: اللہ ہے جس کے سوا کسی کی پوجا نہیں، آپ زندہ، اوروں کا قائم رکھنے والا۔

سوال: اللہ تَعَالٰی کی صفتِ ذاتی القدرۃ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تَعَالٰی کی صفتِ ذاتی القدرۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تَعَالٰی ہر ممکن پر قادر ہے، کوئی ممکن اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ اور اس کے متعلق اللہ تَعَالٰی پارہ ۷ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۱۲۰ میں ارشاد فرماتا ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِیْهِنَّ ؕ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

ترجمۂ کنز الایمان: اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کی سلطنت اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس آیت کے تحت تفسیرِ خزائن العرفان میں ہے: قدرت ممکنات سے متعلق ہوتی ہے نہ کہ واجبات و محالات سے تو معنٰی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تَعَالٰی ہر امرِ ممکن الوجود پر قادر ہے۔ (جمل) کذب وغیرہ عیوب و قبائح اللہ سُبحانہ تبارك و تعالیٰ کے لئے محال ہیں، ان کو تحتِ قدرت بتانا اور اس آیت سے سند لانا غلط و باطل ہے۔

جو چیز مُحال ہے، اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ اُس کی قدرت اُسے شامل ہو، کہ مُحال اسے کہتے ہیں جو موجود نہ ہو سکے اور جب مقدور ہو گا تو موجود ہو سکے گا، پھر مُحال نہ رہا۔ اسے یوں سمجھو کہ دوسرا خدا مُحال ہے یعنی نہیں ہو سکتا تو یہ اگر زیرِ قدرت ہو تو موجود ہو سکے گا تو مُحال نہ رہا اور اس کو مُحال نہ ماننا وحدانیت کا انکار ہے۔ یوں ہی فنائے باری مُحال ہے، اگر تحتِ قدرت ہو تو ممکن ہو گی اور جس کی فنا ممکن ہو وہ خدا نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ مُحال پر قدرت ماننا اللہ (عزوجل) کی اُلوہیت سے ہی انکار کرنا ہے۔

("الفتاوی الرضویۃ"، "سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح" ج۱۵، ص۳۲۲.)

وہ ہر کمال و خوبی کا جامع ہے اور ہر اُس چیز سے جس میں عیب و نقصان ہے پاک ہے، یعنی عیب و نقصان کا اُس میں ہونا مُحال ہے، بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو، نہ نقصان، وہ بھی اُس کے لیے مُحال، مثلاً جھوٹ، دغا، خیانت، ظلم، جہل، بے حیائی وغیرہا عیوب اُس پر قطعاً محال ہیں اور یہ کہنا کہ جھوٹ پر قدرت ہے بایں معنی کہ وہ خود جھوٹ بول سکتا ہے، مُحال کو ممکن ٹھہرانا اور خدا کو عیبی بتانا بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے اور یہ سمجھنا کہ مُحالات پر

قادر نہ ہو گا تو قدرت ناقص ہو جائے گی باطل محض ہے، کہ اس میں قدرت کا کیا نقصان! نقصان تو اُس مُحال کا ہے کہ تعلّقِ قدرت کی اُس میں صلاحیت نہیں۔

("المسامرۃ بشرح المسایرۃ"، ص ۳۹۳)

سوال: اللہ تَعَالٰی کی صفتِ ذاتی العلم سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تَعَالٰی کی صفتِ ذاتی العلم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تَعَالٰی کا علم ہر شے کو محیط ہے، وہ غیب و شہادت سب کو جانتا ہے۔ اور اس پر اللہ تَعَالٰی کا ارشاد موجود ہے، چنانچہ پارہ ۲۸ سورۂ طلاق کی آیت نمبر ۱۲ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا

ترجمۂ کنزالایمان: اور اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

اور بہارِ شریعت جلد۔۱۔ ص ۱۰۔۱۱ پر ہے: اُس کا علم ہر شے کو محیط یعنی جزئیات، کلیات، موجودات، معدومات، ممکنات، مُحالات، سب کو اَزل میں جانتا تھا اور اب جانتا ہے اور اَبد تک جانے گا، اشیاء بدلتی ہیں اور اُس کا علم نہیں بدلتا، دلوں کے خطروں اور وَسوسوں پر اُس کو خبر ہے اور اُس کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔

وہ غیب و شہادت سب کو جانتا ہے، علمِ ذاتی اُس کا خاصہ ہے، جو شخص علمِ ذاتی، غیب خواہ شہادت کا غیرِ خدا کے لئے ثابت کرے کافر ہے۔ علمِ ذاتی کے یہ معنی کہ بے خدا کے دیئے خود حاصل ہو۔ ("الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ"، ص ۳۹)

سوال: اللہ تَعَالٰی کی صفتِ ذاتی الکلام سے کیامراد ہے ؟

جواب: اللہ تَعَالٰی کی صفتِ ذاتی الکلام سے مراد یہ ہے کہ اللہ تَعَالٰی کلام فرماتا ہے جیسے کہ پارہ ۶ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۶۴ میں ارشادِ باری تَعَالٰی ہے:

وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا

ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔

مگر اس کا کلام زبان سے نہیں، اور اس کا کلام آواز و الفاظ و حروف سے پاک ہے۔ مثل دیگر صفات کے کلام بھی قدیم ہے، حادث و مخلوق نہیں، جو قرآنِ عظیم کو مخلوق مانے ہمارے امامِ اعظم و دیگر ائمہ رضی اللہ تَعَالٰی عنھم نے اُسے کافر کہا(''منح الروض الأزہر''، ص۲۶)، بلکہ صحابہ رضی اللہ تَعَالٰی عنہم سے اُس کی تکفیر ثابت ہے۔

(''الفتاوی الرضویۃ''، ج۱۵، ص۳۷۹۔۳۸۴.)

اُس کا کلام آواز سے پاک ہے (''منح الروض الأزہر''، للقارئ، ص۱۷) اور یہ قرآنِ عظیم جس کو ہم اپنی زبان سے تلاوت کرتے، مَصاحِف میں لکھتے ہیں، اُسی کا کلام قدیم بلا صوت ہے اور یہ ہمارا پڑھنا لکھنا اور یہ آواز حادث، یعنی ہمارا پڑھنا حادث ہے اور جو ہم نے پڑھا قدیم اور ہمارا لکھنا حادث اور جو لکھا قدیم، ہمارا سننا حادث ہے اور جو ہم نے سنا قدیم، ہمارا حفظ کرنا حادث ہے اور جو ہم نے حفظ کیا قدیم یعنی متجلّٰی یعنی کلام الٰہی، قدیم ہے، اور تجلّی یعنی ہمارا پڑھنا، سننا، لکھنا، یاد کرنا یہ سب حادث ہے۔

سوال: اللہ تَعَالٰی کی صفتِ ذاتی السمع سے کیامراد ہے؟

جواب: اللہ تَعَالٰی کی صفتِ ذاتی السمع سے مراد یہ ہے کہ اللہ تَعَالٰی سمیع ہے یعنی ہر پست سے پست آواز کو سنتا ہے مگر اس کا سننا کان سے نہیں ہے۔اور اُس کا سننا انہیں چیزوں پر منحصر نہیں،بلکہ ہر موجود کو سنتا ہے۔ جیسے کہ پارہ ۲۴ سورۂ مؤمن کی آیت نمبر ۲۰،میں ارشادِ باری تَعَالٰی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ ہی سُنتا دیکھتا ہے۔

سوال: اللہ تَعَالٰی کی صفتِ ذاتی البصر سے کیامراد ہے؟

جواب: اللہ تَعَالٰی کی صفتِ ذاتی البصر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تَعَالٰی بصیر ہے یعنی ہر باریک سے باریک کو جو خُوردبین سے محسوس نہ ہو وہ دیکھتا ہے مگر اس کا دیکھنا آنکھ سے نہیں ہے، کہ آنکھ جسم ہے اور جسم سے وہ پاک ہے۔ جیسے کہ پارہ ۲۴ سورۂ مؤمن کی آیت نمبر ۲۰،میں ارشادِ باری تَعَالٰی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ ہی سُنتا دیکھتا ہے۔

سوال: اللہ تَعَالٰی کی صفتِ ذاتی الارادۃ سے کیامراد ہے؟

جواب: اللہ تَعَالٰی کی صفتِ ذاتی الارادۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تَعَالٰی ارادہ و مشیت کی صفت سے متصف ہے ، اُس کی مشیت اور اِرادہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، تمام

چیزوں کو اپنے ارادے سے پیدا فرماتا ہے اور ان میں اپنے ارادے سے تصرف فرماتا ہے، یہ نہیں کہ بے ارادہ اس سے افعال سرزد ہوتے ہیں، جیسے کہ پارہ ٦ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ا میں ارشادِ باری تَعَالٰی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہے۔

سوال: صفاتِ فعلیہ سے مراد کیا ہے؟

جواب: فعلی صفات سے مراد وہ صفات ہیں جن کا ظہور تب ہوتا ہے جب وہ اس کی مخلوق پر واقع ہوتی ہیں، اور مخلوق کے حق میں اس کا نتیجہ اچھے یا برے، نعمت یا نقمت، رحمت یا زحمت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ صفات اللہ تعالی کے ساتھ بالقوۃ ازل سے متصل چلی آرہی ہیں اور ان کا اظہار بالفعل وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔

اور اس کو بلفظِ دیگر یوں سمجھیں کہ صفاتِ فعلیہ وہ ہیں کہ جن صفات سے وہ موصوف ہو، ان کی ضد سے بھی وہ موصوف ہو۔ مگر ان صفات کا تعلق اور اثر غیر (مخلوق) کے ساتھ ہو گا، جیسے مارنا اور جلانا، صحت دینا اور بیماری ڈالنا، غنی کرنا اور فقیر کرنا، وغیرہ وغیرہ، ان صفات کو صفاتِ اضافیہ بھی کہتے ہیں۔ اصل میں ان صفات اور ان جیسی سب صفاتِ فعلیہ کو صفتِ تکوین کی تفصیل سمجھنا چاہئے۔(توضیح العقائد ص ٣٣)

سوال: چند صفاتِ فعلیہ ذکر کریں۔

جواب: اللہ تعَالیٰ کی صفاتِ فعلیہ میں سے چند یہ ہیں: (۱) تخلیق: اس سے مراد مخلوقات کو پیدا کرنا ہے۔ (۲) ترزیق: اس سے مراد مخلوقات کو روزی دینا ہے۔ (۳) انشاء: اس کا معنی پیدا کرنا، پرورش کرنا اور تربیت کرنا ہے، اور اللہ تعَالیٰ تمام مخلوقات کی بتدریج پرورش فرماتا ہے اور ان کو نقطۂ کمال تک پہنچاتا ہے۔ (۴) ابداع: اس کا معنی کسی چیز کو بغیر مادہ کے اور بغیر نمونے کے پیدا کرنے کے ہیں، پس جب اللہ تعَالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمانا چاہا تو اس وقت نہ ان کا کوئی مادہ تھا اور نہ کوئی نمونہ، مگر اللہ تعَالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعہ لفظِ کن سے پیدا فرما دیا۔ (۵) صنع: اس کا معنی صنعت گری کرنا ہے، اور اس کا اظہار مصنوعات کے ظاہر ہونے کے وقت ہوتا ہے۔

اللہ تعَالیٰ کی صفاتِ فعلیہ ان کے علاوہ بھی ہیں یہاں پر چند کا ذکر کرنا حصر کے لئے نہیں، بلکہ مثال کے لئے ہیں، ان کے علاوہ جیسے زندہ کرنا، فنا کرنا، اگانا، بڑھانا، چیزوں کو ان کی اصل سے پھیرنا۔ اور یہ تمام کی تمام صفت تکوین کے تحت داخل ہیں۔

(منح الروض الازہر ص ۳۵)

سوال: کیا اللہ تعَالیٰ کے اسمائے حسنی اور صفات حادث ہیں؟

جواب: اللہ تعَالیٰ کے تمام اسمائے حسنی اور صفات ہمیشہ سے ہیں، ان کی کوئی ابتداء نہیں، اور ہمیشہ رہیں گی کہ ان کی کوئی انتہاء نہیں، اللہ تعَالیٰ کا کوئی نام اور کوئی صفت حادث نہیں، ذات و صفات کے سِوا سب چیزیں حادث ہیں، یعنی پہلے نہ تھیں پھر موجود ہوئیں۔ بہارِ شریعت جلد۔ ۱۔ ص ۴ میں ہے: جس طرح اُس کی ذات قدیم اَزلی اَبدی ہے،

صفات بھی قدیم اَزلی اَبدی ہیں۔ صفاتِ الٰہی کو جو مخلوق کہے یا حادث بتائے، گمراہ بد دین ہے۔("المعتقد المنتقد"، ص۴۹)

سوال: حادث اور قدیم کسے کہتے ہیں؟

جواب: جو پہلے نہ ہو اور پھر کسی کے پیدا کرنے سے ہو وہ ممکن اور حادث ہے، اور جو ہمیشہ سے ہو اور خود بخود ہو وہ واجب اور قدیم ہے۔ پس اللہ تَعَالٰی کی ذات اور صفات کے علاوہ سب حادث ہیں یعنی پہلے نہ تھے پھر پیدا کرنے سے پیدا ہوئے۔

سوال: یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ صفات فعلیہ ازلی اور قدیم کس طرح ہیں؟ کیونکہ اللہ تَعَالٰی رازق اس وقت ہو گا جب کہ کوئی مرزوق ہو گا۔ پس جب مخلوق نہ تھی تو صفاتِ فعلیہ بھی نہ تھیں لہذا یہ صفات حادث ہوئیں، اور اگر یہ صفات قدیم ہیں تو مخلوق کا بھی قدیم ہونا لازم آئے گا، اس کا جواب کیا ہو گا؟

جواب: صفاتِ فعلیہ کا ظہور البتہ غیر پر موقوف ہے یعنی جب تک کوئی غیر نہ ہو یہ صفات ظاہر نہ ہوں گی، مگر خود صفات کا ہونا کسی غیر پر موقوف نہیں، مثلاً ایک شخص کو کتابت یعنی لکھنا آتا ہے اور یہ وصف اس کو ہمیشہ سے حاصل ہے لیکن یہ وصف ظاہر کب ہو گا؟ کہ جب وہ کچھ لکھے گا، حالانکہ وصفِ کتابت کا ہونا لکھنے پر موقوف نہیں، کہ اگر وہ تمام عمر کچھ نہ لکھے تب بھی اس کو وصفِ کتابت حاصل رہے گا اور اس کو کاتب کہیں گے، پس اسی طرح ازل میں نہ کسی مخلوق کی ہستی تھی اور نہ کسی مرزوق کی، لیکن یہ سب وصف اللہ تَعَالٰی کو بخوبی حاصل تھے، اور اس سے نہ تو عالم کا قدیم ہونا لازم آیا اور نہ اللہ تَعَالٰی کی صفات کا

حادث ہونا۔اس جواب کو خوب غور سے سمجھ لیجئے کہ اکثر اسی شبہ میں مردود ہوتے ہیں۔(توضیح العقائد ص ۳۴)

صَلُّوا عَلَى الْحَبِيْب! صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّد

4: صِفَاتُ اللّٰہِ اَزَلِیَّۃٌ:

لَمْ یَزَلْ عَالِماً بِعِلْمِہٖ ،وَ الْعِلْمُ صِفَۃٌ فِی الْاَزَلِ،وَ قَادِراً بِقُدْرَتِہٖ ،وَ الْقُدْرَۃُ صِفَۃٌ فِی الْاَزَلِ،وَ مُتَکَلِّماً بِکَلَامِہٖ وَ الْکَلَامُ صِفَۃٌ فِی الْاَزَلِ،وَ خَالِقاً بِتَخْلِیْقِہٖ وَ التَّخْلِیْقُ صِفَۃٌ فِی الْاَزَلِ،وَ فَاعِلاً بِفِعْلِہٖ وَ الْفِعْلُ صِفَۃٌ فِی الْاَزَلِ،وَ الْفَاعِلُ ھُوَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَالْفِعْلُ صِفَۃٌ فِی الْاَزَلِ،وَ الْمَفْعُوْلُ مَخْلُوْقٌ وَ فِعْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی غَیْرُ مَخْلُوْقٍ، وَ صِفَاتُہٗ فِی الْاَزَلِ،غَیْرُ مُحْدَثَۃٍ وَلَا مَخْلُوْقَۃٍ، فَمَنْ قَالَ : اِنَّھَا مَخْلُوْقَۃٌ اَوْ مُحْدَثَۃٌ اَوْ وَقَفَ اَوْ شَکَّ فِیْھَا فَھُوَ کَافِرٌ بِاللّٰہِ تَعَالٰی۔

ترجمہ: اللہ تَعَالٰی اپنے علم کے ساتھ ہمیشہ سے عالم ہے،اور (اللہ کا) علم ہمیشہ سے (اس کی)صفت ہے،اور وہ اپنی قدرت کے ساتھ ہمیشہ سے قادر ہے،اور قدرت ہمیشہ سے (اس کی)صفت ہے،اور وہ اپنے کلام کے ساتھ ہمیشہ سے متکلم ہے،اور کلام ہمیشہ سے (اس کی) صفت ہے،اور وہ اپنے پیدا کرنے کی صفت کے ساتھ ہمیشہ سے خالق ہے،اور تخلیق ہمیشہ سے (اس کی)صفت ہے،اور وہ اپنے فعل کے ساتھ ہمیشہ سے فاعل ہے،اور فعل ہمیشہ سے (اس کی)صفت ہے،(کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا) کرنے والا اللہ تَعَالٰی ہے،اور فعل ہمیشہ سے (اس کی)صفت ہے،اور اس کے فعل کا محلِّ وقوع مخلوق ہے،اور اللہ تَعَالٰی کا فعل غیرِ مخلوق ہے،اور اللہ تَعَالٰی کی تمام صفات ہمیشہ سے ہیں،حادث نہیں ہیں،اور نہ ہی مخلوق

ہیں، پس جو یہ کہے کہ اللہ تَعَالٰی کی صفات مخلوق ہیں یا حادث ہیں، یا (ان کے بارے میں) توقف کرے، یا (ان میں) شک کرے، تو وہ اللہ تَعَالٰی کا انکار کرنے والا ہے۔

سوال: اس فصل میں اللہ تَعَالٰی کی صفات کے متعلق کیا عقیدہ بیان کیا گیا ہے؟

جواب: اس فصل میں اللہ تَعَالٰی کی صفات کے متعلق یہ عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تَعَالٰی کی جملہ صفات ازلی ہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں، کیونکہ اللہ تَعَالٰی کی صفات کا تعلق خود اس کی ذات سے ہے، لہٰذا صفات بھی ہر لحاظ سے ذات کی طرح قدیم، ازلی اور ابدی ہیں حادث و مخلوق نہیں، ہاں! اللہ تَعَالٰی کی ذات و صفات کے علاوہ سب چیزیں حادث ہیں یعنی پہلے نہ تھیں پھر موجود ہوئیں، اور صفاتِ الٰہی عزوجل کو جو شخص مخلوق یا حادث بتائے یا اس مسئلے میں توقف کرے یا شک و شبہ میں مبتلا ہو وہ امام اعظم کے نزدیک اللہ تَعَالٰی کا انکار کرنے والا ہے،

جبکہ بہار شریعت جلد۔ ۱۔ ص ۴، میں ہے: صفاتِ الٰہی کو جو مخلوق کہے یا حادث بتائے، گمراہ بد دین ہے۔ ("المعتقد المنتقد"، ص ۴۹)

ہاں! جو عالَم میں سے کسی شے کو قدیم مانے یا اس کے حدوث میں شک کرے، کافر ہے۔ ("الشفا"، فصل في بيان ماهو من المقالات كفر، ج ۲، ص ۲۸۳)

اور جو چیز اللہ تَعَالٰی کے فعل سے وجود میں آئے وہ مخلوق ہے حادث ہے، لیکن خود اللہ تَعَالٰی کا فعل قدیم ازلی ابدی ہے۔

صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب! صَلَّی اللہُ عَلٰی مُحَمَّد

5: اَلْقَوْلُ فِي الْقُرْآنِ:

وَ الْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰی فِي الْمَصَاحِفِ مَكْتُوْبٌ، وَ فِي الْقُلُوْبِ مَحْفُوْظٌ، وَ عَلَى الْاَلْسُنِ مَقْرُوْءٌ، وَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم مُنَزَّلٌ، وَ لَفْظُنَا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوْقٌ، وَ كِتَابَتُنَا لَهٗ مَخْلُوْقَةٌ، وَ قِرَاءَتُنَا لَهٗ مَخْلُوْقَةٌ، وَ الْقُرْآنُ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ، وَ مَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِي الْقُرْآنِ عَنْ مُوْسٰی وَ غَيْرِهٖ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ (عَلَيْهِمُ السَّلَامُ) وَ عَنْ فِرْعَوْنَ وَ اِبْلِيْسَ، فَاِنَّ ذَالِكَ كُلَّهٗ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰی اِخْبَاراً عَنْهُمْ، وَ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰی غَيْرُ مَخْلُوْقٍ، وَ كَلَامُ مُوْسٰی وَ غَيْرِهٖ مِنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ مَخْلُوْقٌ، وَ الْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰی فَهُوَ قَدِيْمٌ لَا كَلَامُهُمْ۔

ترجمہ: اور قرآن اللہ تَعَالٰی کا کلام ہے جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے، اور دلوں میں محفوظ ہے، اور زبان پر پڑھا ہوا ہے، اور نبیِ کریم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم پر اتارا گیا ہے، اور ہمارا قرآن کا تلفظ کرنا مخلوق ہے (ہم اپنی زبان سے قرآن کے جو الفاظ ادا کرتے ہیں وہ مخلوق ہیں) اور ہمارا قرآن کا تحریر کرنا مخلوق ہے، اور ہمارا قرآن کی قراءت کرنا مخلوق ہے، اور قرآن (بحیثیت کلام اللہ) غیر مخلوق ہے، اور قرآن میں اللہ تَعَالٰی نے حضرتِ موسی علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم السلام نیز فرعون و ابلیس کی جو باتیں ذکر کی ہیں وہ سب کی سب باتیں اللہ تَعَالٰی کا کلام ہیں، جس میں ان کی کہی ہوئی باتوں کی خبر دی گئی ہے،

اور اللہ تعَالیٰ کا کلام غیرِ مخلوق ہے، اور حضرتِ موسی علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر مخلوقات کا کلام مخلوق ہے، اور قرآن اللہ تعَالیٰ کا کلام ہے اور وہ قدیم ہے، (لیکن) ان مخلوقات کا کلام قدیم نہیں (بلکہ حادث ہے)۔

سوال: قرآن کے مخلوق ہونے یا نہ ہونے میں ہمارا اور معتزلہ کا کیا مؤقف ہے؟

جواب: موقفِ معتزلہ: معتزلہ قرآنِ مجید کو حادث اور مخلوق مانتے ہیں۔

موقفِ اہلِ سنت: اہلِ سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعَالیٰ کا کلام ہے اور اللہ کا کلام اس کی صفت ہے اور صفت موصوف کے تابع ہوتی ہے، لہذا اللہ تعَالیٰ کی جملہ صفات، اللہ تعَالیٰ کی ذات کی طرح ازلی قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔

دلیلِ اہلِ سنت: اس لئے کہ اللہ تعَالیٰ ازل سے اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے کامل مکمل اور اکمل چلا آرہا ہے، اور وہ اپنی ذات و صفات میں کسی بھی قسم کی کمی، خامی اور نقص سے ہمیشہ سے پاک ہے، کوئی دور ایسا نہیں آیا کہ اس کی ذات میں کسی چیز کی کمی تھی جو بعد میں پوری ہوئی ہو، یا اس کی صفت نامکمل تھی جو بعد میں مکمل ہوئی ہو، لہذا اس کی جملہ صفات کی طرح اس کا کلام بھی قدیم اور غیر مخلوق ہے۔

سوال: جو قرآن ہم پڑھتے لکھتے ہیں کیا یہ مخلوق ہے؟

جواب: جی ہاں! ہم جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو یہ ہمارا عمل ہے، چونکہ ہم مخلوق ہیں لہذا ہمارا یہ عمل بھی حادث اور مخلوق ہے، نیز الفاظ کو تحریر کرنے کے لئے ہم نے حروف کی جو علامات وضع کی ہیں وہ بھی ہماری ایجاد ہے، جن کی شکل و صورت

میں ضرورت کے لئے یا خوشنمائی کے لئے اکثر و بیشتر ہم تبدیلی کرتے رہتے ہیں، وہ بھی مخلوق اور حادث ہے، اسی طرح کاغذ، روشنائی، قلم وغیرہ بھی مخلوق و حادث ہیں۔

(منح الروض الازہر ص ۴۲)

سوال: قرآن میں جو دیگر مخلوقات کے کلام ذکر کئے گئے ہیں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: قرآن پاک از ابتدا تا انتہا پورا کا پورا اللہ تَعَالٰی کا کلام ہے، جو امثال و حکم، وعدہ و وعید، محکم و متشابہ، اوامر و نواہی، عقائد و ایمانیات، مواعظ و نصائح اور قصص و حکایات جیسے مختلف مضامین پر مشتمل ہے، قرآن پاک میں جابجا انبیاء و رسل اور صالحینِ امم سابقہ کی باتوں اور ان کے کلام کو بھی بیان کیا گیا ہے، نیز بعض دشمنانِ خدا جیسے ابلیس، فرعون، یہود و نصاری، کفار و مشرکین کی باتیں اور اعتراضات بھی قرآن میں بیان ہوئی ہیں، قرآن کی وہ آیات جن میں خدا کی مخلوقات کا کلام مذکور ہے وہ بھی کلام اللہ ہیں، اور اسی کی طرح قدیم ہیں، چونکہ اللہ تَعَالٰی کا علمِ بے کراں لا محدود اور ازلی و ابدی ہے، لہذا اللہ تَعَالٰی ازل سے ہی اپنے اس وسیع علم کے ذریعے نہ صرف ان کے کلام اور گفتگو کو لفظ بلفظ جانتا تھا بلکہ ان کے انداز و اطوار، گفتگو، لب و لہجہ اور نیتوں اور ارادوں تک سے واقف تھا اور یہ باتیں زمین و آسمان اور روح کی پیدائش سے قبل ہی لوحِ محفوظ میں لکھی جا چکی تھیں، اس لئے اللہ تَعَالٰی نے اپنے جس کلام میں بظاہر ان کی طرف سے ان کی جن باتوں

کو بیان فرمایاہے اس کا وہ کلام بھی ازلی و قدیم ہے، البتہ ان مخلوقات نے اپنے اپنے وقت میں اور اپنی اپنی زبان سے جب یہی کلام ادا کیا تو ان کا یہ کلام خود ان کی طرح مخلوق ہے۔

یہ تصور کرنا ہر گز درست نہیں کہ انبیاء، فرشتے یا ابلیس و فرعون جب یہ گفتگو کر چکے تو یہ باتیں اللہ تعَالیٰ کے علم میں آئیں، اور پھر اللہ تعَالیٰ نے انہیں اپنی کتاب میں نقل کیا، اس تصور سے اللہ تعَالیٰ کے علم کا ناقص و نامکمل ہونا لازم آتا ہے جو کہ درست نہیں ہے، کیونکہ ایسی ہستی خدا بننے کی اہل نہیں ہو سکتی، جس کا علم ناقص و نامکمل ہو، یا حادث ہو، اللہ تعَالیٰ ایسے تمام عیوب سے پاک اور بلند و برتر ہے۔ (منح الروض الازہر ص ۴۷۔۴۸)

وَ سَمِعَ مُوْسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ كَلَامَ اللّٰهِ تَعَالیٰ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ : وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِیْمًا (نساء ۱۶۴) وَ قَدْ كَانَ اللّٰهُ تَعَالیٰ مُتَكَلِّماً وَ لَمْ یَكُنْ كَلَّمَ مُوْسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَ قَدْ كَانَ اللّٰهُ تَعَالیٰ خَالِقاً فِی الْاَ زَلِ وَ لَمْ یَخْلُقِ الْخَلْقَ ''لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ'' فَلَمَّا كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی كَلَّمَهٗ بِكَلَامِهِ الَّذِیْ هُوَ لَهٗ صِفَةٌ فِی الْاَزَلِ۔

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعَالیٰ ہی کے کلام کو سنا، جیسا کہ اللہ تعَالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا''۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعَالیٰ اس وقت بھی متکلم تھا حالانکہ (جس وقت) اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام بھی نہ فرمایا تھا (جیسا کہ) اللہ تعَالیٰ ازل میں اس وقت بھی خالق تھا، جبکہ ابھی اس نے کسی مخلوق کو پیدا نہیں فرمایا

تھا، ”اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سُنتا دیکھتا ہے“ پس جب اللہ تَعَالٰی نے موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا تو اپنے اس کلام کے ساتھ کلام فرمایا جو اللہ تَعَالٰی کی صفت ازلی ہے۔

وَ صِفَاتُهٗ كُلُّهَا بِخِلَافِ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِيْنَ۔ يَعْلَمُ لَا كَعِلْمِنَا، وَ يَقْدِرُ لَا كَقُدْرَتِنَا، وَ يَرىٰ لَا كَرُؤْيَتِنَا، وَ يَسْمَعُ لَا كَسَمْعِنَا، وَ يَتَكَلَّمُ لَا كَكَلَامِنَا، وَ نَحْنُ نَتَكَلَّمُ بِالْاٰلَاتِ وَ الْحُرُوْفِ وَ اللّٰهُ تَعَالىٰ يَتَكَلَّمُ بِلَا اٰلَةٍ وَ لَا حُرُوْفٍ، وَ الْحُرُوْفُ مَخْلُوْقَةٌ ،وَ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالىٰ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ۔ وَ هُوَ شَيْئٌ لَا كَالْاَشْيَاءِ، وَ مَعْنىَ الشَّيْئِ اِثْبَاتُهٗ بِلَا جِسْمٍ وَلَا جَوْهَرٍ وَ لَا عَرَضٍ ، وَلَا حَدَّ لَهٗ وَلَا ضِدَّ لَهٗ وَلَا نِدَّ لَهٗ وَلَا مِثْلَ لَهٗ۔

ترجمہ: اور اللہ تَعَالٰی کی تمام صفات مخلوقات کی صفات سے ممتاز و ممیز ہیں، وہ جانتا ہے لیکن ہمارے جاننے کی طرح نہیں، اور وہ قدرت رکھتا ہے لیکن ہماری قدرت کی طرح نہیں، اور وہ دیکھتا ہے لیکن ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں، اور وہ کلام فرماتا ہے لیکن ہمارے کلام کرنے کی طرح نہیں، اور وہ سنتا ہے لیکن ہمارے سننے کی طرح نہیں، اور ہم آلات (اعضاء و جوارح) اور حروف کی مدد سے کلام کرتے ہیں، اور (جبکہ) اللہ تَعَالٰی بغیر آلہ و حروف کے کلام فرماتا ہے، (کیونکہ) حروف مخلوق ہیں (جبکہ) اللہ تَعَالٰی کا کلام غیر مخلوق ہے، اور اللہ تَعَالٰی بھی ایک شے ہے، لیکن دیگر اشیاء کی طرح نہیں، اور شے کا معنی وہ ہستی ہے جو بغیر جسم، بغیر جوہر اور بغیر عرض کے ثابت (موجود) ہو، اور اس کی کوئی حد نہیں ہے، اور نہ اس کی کوئی ضد ہے، اور نہ ہی کوئی اس کے برابر ہے، اور نہ ہی کوئی اس کے جیسا ہے۔

سوال: حضرتِ موسی علیہ السلام نے کوہِ طور میں جو اللہ تَعَالٰی کا کلام سنا تھا کیا وہ بھی ازلی ہے؟

جواب: جی ہاں ! حضرتِ موسی علیہ السلام نے کوہِ طور اور وادی طوی میں اللہ تَعَالٰی کا جو کلام سنا تھا وہ وہی ازلی کلام تھا جو ذاتِ باری تَعَالٰی کی طرح قدیم ہے، اور اللہ تَعَالٰی ازل سے متکلم ہے حالانکہ اس نے ابھی موسی علیہ السلام سے کلام نہ فرمایا تھا، اور اللہ تَعَالٰی اس وقت بھی خالق تھا جبکہ ابھی اس نے کسی چیز کو پیدا نہ فرمایا تھا، ہاں ! ان صفات کا اظہار اور وقوع اس وقت ہوا جب اس نے کلام فرمایا، اور مخلوق کو پیدا فرمایا۔

سوال: کیا اللہ تَعَالٰی کی صفات مخلوقات کی صفات کی طرح ہیں؟

جواب: نہیں ! اللہ تَعَالٰی کی جملہ صفات اس کی مخلوقات میں موجود صفات سے بالکل جدا، ممتاز اور بلند و برتر ہیں۔

سوال: ہمارے اور اللہ تَعَالٰی کے علم میں کیا فرق ہے؟

جواب: اللہ تَعَالٰی کا علم ہمارے علم کی طرح نہیں، کہ ہمارا علم گھٹتا بڑھتا ہے، ہمارا علم سیکھنے سے آتا ہے، جبکہ اللہ تَعَالٰی کا علم گھٹتا بڑھتا نہیں، بلکہ ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا۔ یوں ہی ہم اشیاء کا علم اپنے فہم کے مقدار آلات کے ذریعے حاصل کرتے ہیں، جبکہ اللہ تَعَالٰی اشیاء کی حقائق کلی اور جزئی طور پر جانتا ہے، نیز اشیاء کے ظاہر و باطن کو بھی اپنے علمِ ذاتی، صمدی، ازلی، ابدی کے ذریعے جانتا ہے۔ (منح الروض الازہر ص ۵۴)

سوال: ہماری اور اللہ تَعَالیٰ کی قدرت میں کیا فرق ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کی قدرت قدیم ہے، کسی آلہ کے ذریعے نہیں، اور وہ ہر ممکن شے پر قادر ہے، حالانکہ ہم بعض چیزوں پر ہی قدرت رکھتے ہیں، اور وہ بھی آلات، اعوان و انصار کے محتاج ہوتے ہوئے۔

سوال: ہمارے اور اللہ تَعَالیٰ کے دیکھنے اور سننے میں کیا فرق ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کا دیکھنا اور سننا ہمارے جیسا نہیں، کہ ہم اور دیگر حیوانات دیکھنے اور سننے جیسی صفات میں بے شمار مادی اشیاء، آلات اور اعضاء کے محتاج ہیں، مثلاً دیکھنے میں آنکھ اور روشنی کا، سننے میں کان کا، نیز ہماری ان صفات کا دائرۂ کار نہایت محدود ہے، کہ دیوار کے پیچھے کا نہیں دیکھ سکتے، جن و فرشتوں کی آوازیں نہیں سن سکتے، جبکہ اللہ تَعَالیٰ کی صفتِ رؤیت و سماعت نہ تو کسی اٰلات و اعضاء کی محتاج ہے، اور نہ مادی و غیر مادی اشیاء کی، اللہ تَعَالیٰ کی تمام صفات لا محدود اور قدیم ہیں۔

سوال: ہمارے اور اللہ تَعَالیٰ کے کلام کرنے میں کیا فرق ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کلام فرماتا ہے، مگر ہمارے جیسا نہیں، کہ ہم کلام کرنے میں آلات یعنی حلق، زبان، ہونٹ، دانت اور حروف کے محتاج ہیں، جبکہ اللہ تَعَالیٰ کا کلام ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔

سوال: کیا حروف و آلات مخلوق ہیں ؟

جواب: جی ہاں ! حروف اور آلات یعنی حلق ، زبان، ہونٹ، دانت اور صوت یہ سب مخلوق ہیں، حالانکہ اللہ تعَالیٰ کا کلام مخلوق نہیں، بلکہ قدیم بالذات ہے۔

سوال: کیا اللہ تعَالیٰ ایک شے ہے ؟ نیز کیا اللہ تعَالیٰ کی کوئی حد بھی ہے ؟

جواب: جی ہاں ! اللہ تعَالیٰ بھی ایک شے ہے، یعنی اپنی ذات و صفات کے ساتھ موجود ہے، مگر اشیاءِ مخلوقہ کی ذات و صفات کی طرح نہیں، جیسے کہ پارہ ۲۵ سورۂ شوری کی آیت نمبر ۱۱ میں اللہ تعَالیٰ نے اپنے بارے میں فرمایا:

لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ۔ **ترجمۂ کنز الایمان:** اس جیسا کوئی نہیں۔

پس اللہ تعَالیٰ بغیر جسم و جوہر و عرض کے موجود ہے، کیونکہ جسم مرکب و متحیز ہوتا ہے، جو کہ حدوث کی علامت ہے، اور جوہر متحیز ہوتا ہے، اور عرض وہ ہے جو اپنے غیر کے ساتھ پایا جاتا ہو، اور اللہ تعَالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔

اللہ تعَالیٰ کی کوئی حد نہیں، اور نہ ہی کوئی انتہا ہے، اور نہ ہی کوئی ضد (یعنی منازع و ممانع) ہے، جو کہ اس سے جھگڑا کرے، اور نہ ہی کوئی اس کے برابر ہے، جو کہ خدائی میں شریک ہو سکے، اور نہ ہی کوئی اس کے مثل ہے۔

صلوا علی الحبیب　　صلی اللہ علی محمد

6: اَلْقَوْلُ فِی الصِّفَاتِ:

وَ لَهٗ یَدٌ وَ وَجْہٌ وَ نَفْسٌ فَمَا ذَکَرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ مِنْ ذِکْرِ الْوَجْہِ وَ الْیَدِ وَ النَّفْسِ فَھُوَ لَهٗ صِفَاتٌ بِلَا کَیْفٍ وَلَا یُقَالُ: اِنَّ یَدَہٗ قُدْرَتُهٗ اَوْ نِعْمَتُهٗ لِاَنَّ فِیْهِ اِبْطَالَ الصِّفَةِ، وَ ھُوَ قَوْلُ اَھْلِ الْقَدَرِ وَ الْاِعْتِزَالِ. وَلٰکِنَّ یَدَہٗ صِفَتُهٗ بِلَا کَیْفٍ وَ غَضَبُهٗ وَ رِضَاہُ صِفَتَانِ مِنْ صِفَاتِهٖ بِلَا کَیْفٍ۔

ترجمہ: اللہ تَعَالٰی کا ہاتھ ہے، اور چہرہ اور نفس ہے، جیسا کہ اللہ تَعَالٰی نے قرآنِ پاک میں چہرہ، ہاتھ اور نفس کا ذکر فرمایا ہے، پس وہ اللہ تَعَالٰی کی ایسی صفات ہیں جن کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں، اور نہیں کہا جائے گا (یہ کہنا درست نہیں ہے) کہ اس کے ہاتھ سے مراد اس کی قدرت ہے، یا اس کی نعمت ہے، اس لئے کہ اس میں اس صفت کا باطل ہونا لازم آئے گا، اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا عقیدہ ہے، اور لیکن (درست عقیدہ یہ ہے کہ) اس کا ہاتھ اس کی وہ صفت ہے جس کی کیفیت ہم کو معلوم نہیں۔ اور اللہ تَعَالٰی کا غضب اور اس کی رضا اس کی ان صفات میں سے دو ایسی صفتیں ہیں جن کی کیفیت ہم کو معلوم نہیں۔

سوال: ”وَلَا یُقَالُ اَنَّ یَدَہٗ قُدْرَتُهٗ اَوْ نِعْمَتُهٗ“ اس عبارت سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت میں امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ید اللہ سے قدرت اور نعمت کا معنی مراد لینے سے منع فرمایا ہے، اور اس کو قدریہ و معتزلہ کا مذہب بتایا ہے، جبکہ بعد کے علمائے اہلِ سنت ید اللہ سے قدرت و نعمت مراد لیتے ہیں۔ پس اس طرح حنفیوں پر غیر کی طرف سے اعتراض ہوتا ہے کہ:

اعتراض: تم لوگوں نے امامِ اعظم کا عقیدہ چھوڑ کر قدریہ و معتزلہ کا عقیدہ اختیار کر لیا۔

جواب: اس اعتراض کے متعلق جواب یہ ہے کہ اہلِ سنت و جماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جن نصوص کے ظاہری الفاظ کسی ایسے معنی پر دلالت کر رہے ہوں جو خلافِ عقل ہوں تو ان نصوص کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوں گے۔ پھر اس بارے میں دو طریقے ہیں:

(۱)۔۔۔سلف صالحین و تابعین یعنی متقدمین کا طریقہ: کہ ان نصوص کے علم کو اللہ تَعَالٰی کے سپرد کر دیں کہ اللہ تَعَالٰی کے یہاں جو بھی مراد ہو گی اس پر ہمارا ایمان ہے، جیسے ید اللہ، وجہ اللہ، الرحمٰن علی العرش استوی وغیرہ۔ پس ان چیزوں کی کیفیت و حقیقت ہمیں معلوم نہیں، مگر اتنی بات ثابت ہے کہ اللہ تَعَالٰی کا ہاتھ، چہرہ، نفس وغیرہ ہمارے جیسا نہیں، کیونکہ قرآن نے فرمایا: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ۔ ترجمہ: اس جیسا کوئی نہیں۔ اور یہی طریقہ صحابہ و تابعین کا ہے۔

(۲)۔۔۔دوسرا طریقہ علمائے متأخرین کا ہے، چونکہ ان کے دور میں فتنوں نے سر اٹھایا، اور فرقۂ مجسمہ و مشبہ نے لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کیا اور آیات کے ظاہری معنی مراد لے کر کمزور مسلمانوں کے درمیان پھیلانا شروع کیا، تو اس وقت علمائے متأخرین نے ان آیات کی صحیح تاویلات کو ضروری سمجھا، تاکہ جاہل لوگوں کی تردید ہو سکے، اور کم علم والوں کو سیدھی راہ پر لایا جا سکے۔

اور آیاتِ متشابہات کے بارے میں صحیح تاویلات کرنے کی دلیل قرآن کے پارہ ۳ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۷ میں فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

ترجمہ کنزالایمان: وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے وہ جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے، اور اس کا پہلو ڈھونڈھنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے، اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

اس آیتِ پاک کی تفسیر میں صدر الافاضل، حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے آپ فرماتے تھے کہ میں راسخین فی العلم سے ہوں اور مجاہد سے مروی ہے کہ میں ان میں سے ہوں جو متشابہ کی تاویل جانتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ راسخ فی العلم وہ عالم باعمل ہے جو اپنے علم کا متبع ہو اور ایک قول مفسرین کا یہ ہے کہ راسخ فی العلم وہ ہیں جن میں چار صفتیں ہوں۔ تقوٰی اللہ کا، تواضع لوگوں سے، زُہد دنیا سے، مجاہدہ نفس کے ساتھ۔

لہذا ان وجوہات کی بناء پر ید اللہ کی تاویل قدرت و نعمت سے کرنا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عقیدے سے انحراف نہیں بلکہ یہ انہیں کا مذہب ہے۔ پس متقدمین کے مذہب کے اعتبار سے ید، وجہ اور نفس ایسی صفات ہیں جن کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں، یوں ہی غضب و رضا ایسی صفات ہیں جن کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں۔ (منح الروض الازہر ص ۱۳۵)

7: اَلْقَوْلُ فِی الْقَدَرِ:

خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالیٰ الْاَشْیَاءَ لَا مِنْ شَیْءٍ، وَ کَانَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَالِماً فِی الْاَزَلِ بِالْاَشْیَاءِ قَبْلَ کَوْنِهَا، وَ هُوَ الَّذِی قَدَّرَ الْاَشْیَاءَ وَ قَضَاهَا، وَ لَا یَکُوْنُ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْآخِرَةِ شَیْءٌ اِلَّا بِمَشِیْئَتِهٖ وَ عِلْمِهٖ وَ قَضَائِهٖ وَ قَدَرِهٖ وَ کَتْبِهٖ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ وَلٰکِنَّ کَتْبَهٗ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُکْمِ۔

ترجمہ: اللہ تَعَالیٰ نے اشیاء کو پیدا فرمایا، حالانکہ وہ نہ تھیں (عدم سے وجود میں لایا) اور ان اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے اللہ تَعَالیٰ ازل سے ان کے بارے میں جاننے والا تھا، اسی نے ان اشیاء کو مقدر فرمایا، اور ان کے بارے میں فیصلہ فرمایا، دنیا اور آخرت میں اس کی مرضی و مشیئت، اس کے علم و قضا و قدر اور لوحِ محفوظ میں اس کے تحریر کرنے سے ہی ہوتی ہے، لیکن لوحِ محفوظ میں اس کا لکھنا باعتبارِ وصف کے ہے نہ کہ حکم کے اعتبار سے۔

سوال: "خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالیٰ الْاَشْیَاءَ لَا مِنْ شَیْءٍ" اس عبارت سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ: اللہ تَعَالیٰ نے اشیاء کو پیدا فرمایا، چاہے وہ ذوات ہوں یا حالات جیسے سکون و حرکات، انوار و ظلمات، شرور و خیرات، علویات و سفلیات۔ اور یہ پیدا کرنا مادۂ سابقہ کے بغیر ہے جیسے کہ اللہ تَعَالیٰ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۱۴ میں ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ یُطْعِمُ وَ لَا یُطْعَمُ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا کسی اور کو والی بناؤں، وہ اللہ جس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور وہ کھلاتا ہے اور کھانے سے پاک ہے تم فرماؤ مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے گردن رکھوں، اور ہرگز شرک والوں میں نہ ہونا۔

سوال: کیا اللہ تَعَالٰی اشیاء کو ان کی پیدائش سے پہلے جانتا تھا؟

جواب: جی ہاں! اللہ تَعَالٰی ان اشیاء کو ان کی پیدائش سے قبل ہمیشہ سے جاننے والا ہے، جیسے کہ سورۂ فتح کی آیت نمبر ۲۶ میں فرمانِ باری تَعَالٰی ہے:

وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔ **ترجمۂ کنزالایمان:** اور اللہ سب کچھ جانتاہے۔

سوال: کیالوحِ محفوظ میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے؟

جواب: جی ہاں! دنیا و آخرت میں جو بھی چیز ہے یا ہو گی یا ہوئی اللہ تَعَالٰی نے ہر چیز کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا، لہذا جو بھی ہو گی وہ اللہ تَعَالٰی کی مشیئت، علم، قضا و قدر سے ہی ہو گی۔

سوال: "وَلٰکِنَّ کَتَبَہٗ بِالْوَصْفِ لَا بِالْحُکْمِ" اس عبارت کی وضاحت کریں؟

جواب: اس عبارت کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تَعَالٰی نے ہر چیز کو لوحِ محفوظ میں وصف کے اعتبار سے لکھا ہے نہ کہ حکم کے اعتبار سے، اور وصف سے مراد یہ ہے کہ یہ چیزیں عنقریب ایسے ایسے ہوں گی، حکم نہیں دیا کہ یہ چیزیں ایسی ایسی ہو جائیں، پس اگر حکم کے اعتبار سے ہوتا تو وہ ساری چیزیں اسی وقت موجود ہو جاتیں، کیونکہ جب اللہ تَعَالٰی فرماتا ہے: کن (ہو جا) تو چیزیں فیکون (یعنی ہونے لگتی ہیں) اور ہوتی رہتی ہیں۔

وَالْقَضَاءُ وَالْقَدَرُ وَالْمَشِيْئَةُ صِفَاتُهٗ فِي الْاَزَلِ بِلَا كَيْفٍ، يَعْلَمُ اللّٰهُ تَعَالٰى الْمَعْدُوْمَ فِي حَالِ عَدَمِهٖ مَعْدُوْماً وَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ كَيْفَ يَكُوْنُ اِذَا اَوْ جَدَهٗ يَعْلَمُ اللّٰهُ تَعَالٰى الْمَوْجُوْدَ فِي حَالِ وُجُوْدِهٖ مَوْجُوْداً ،وَيَعْلَمُ اَنَّهٗ كَيْفَ يَكُوْنُ فَنَاؤُهٗ۔ وَ يَعْلَمُ اللّٰهُ تَعَالٰى الْقَائِمَ فِي حَالِ قِيَامِهٖ قَائِماً ،وَ اِذَا قَعَدَ عَلِمَهٗ قَاعِداً فِي حَالِ قُعُوْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّتَغَيَّرَ عِلْمُهٗ اَوْ يَحْدُثَ لَهٗ عِلْمٌ وَ لٰكِنَّ التَّغَيُّرَ وَاِخْتِلَافَ الْاَحْوَالِ يَحْدُثُ فِي الْمَخْلُوْقِيْنَ۔

ترجمہ: قضا و قدر اور مشیئت اللہ تَعَالٰی کی وہ ازلی صفات ہیں جن کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں، اللہ تَعَالٰی معدوم شے کو اس وقت بھی جانتا ہے جب وہ ابھی سرے سے وجود ہی میں نہیں آئی تھی، یہ بھی جانتا ہے کہ وہ شے معدوم کو جب وجود میں لائے گا تو وہ کیسے ہو گی، اور اللہ تَعَالٰی موجود شے کی موجودگی کو حالتِ وجود میں جانتا ہے، اور یہ بھی جانتا ہے کہ شے موجود کس طرح فنا ہو گی، اور اللہ تَعَالٰی کھڑی شے کی حالتِ قیام کو بوقتِ قیام بھی جانتا ہے، اور جب وہ بیٹھتی ہے تو اس وقت اس کی اس حالتِ قعود کو بھی جانتا ہے، بغیر اس کے کہ (اس سے) اللہ تَعَالٰی کا علم متغیر ہو یا (اس سے) اللہ تَعَالٰی کا علم فنا ہو، اور تغیر و اختلافِ احوال مخلوقات میں رونما ہوتا ہے۔ (مخلوقات کی صفت ہے)۔

سوال: قضا، قدر اور مشیئت کا معنی کیا ہے؟

جواب: قضا کا معنی فیصلہ کرنا، اور قدر کا معنی اندازہ کرنا، اور مشیئت کا معنی ارادہ کرنا ہے۔ یہ تینوں صفات اللہ تَعَالٰی کی ازل یعنی ہمیشہ سے ہیں، اور قدیم ہیں، لیکن ان کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں۔

سوال: ''وَ الْقَضَاءُ وَ الْقَدَرُ وَ الْمَشِيْئَةُ صِفَاتُهٗ فِي الْاَزَلِ بِلَا كَيْفٍ'' سے کس کا رد کرنا مقصود ہے؟

جواب: اس عبارت سے معتزلہ کا رد کرنا مقصود ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں: ہر چیز اللہ تَعَالٰی کے فیصلے سے نہیں، ورنہ تو بندہ کا کفر بھی اللہ تَعَالٰی کے فیصلے سے ہو گا، اور اللہ تَعَالٰی اپنے قضا (فیصلے) سے راضی ہوتا ہے، لہذا کفر سے بھی راضی ہو گا، حالانکہ ایسا نہیں۔

معتزلہ کا یہ قول باطل ہے کہ فیصلے سے ہونا الگ بات ہے اور راضی ہونا اور بات ہے۔

سوال: کیا اللہ تَعَالٰی معدوم شے کو بحالتِ معدوم جانتا ہے؟

جواب: جی ہاں! اللہ تَعَالٰی معدوم شے کو بحالتِ معدوم جانتا ہے، اور جب وہ وجود میں آئے گی تو کیسے آئے گی وہ بھی جانتا ہے، نیز موجود شے کو بحالتِ موجود اور کیسے فنا ہو گی وہ بھی جانتا ہے، ایسے ہی قائم و قاعد کو ان دونوں کی موجودہ حالت اور اس کے بعد جو حالت ہو گی اس سے بھی واقف ہے، اور تمام چیزوں کی حالت کے بدلنے سے اللہ تَعَالٰی کا علم نہیں بدلتا، اور نہ ہی اس کا علم اس چیز کی حالت کے بعد پیدا ہوا۔

ہاں! تغیر و تبدل اور اختلافِ احوال کا واقع ہونا وہ مخلوقات کے ساتھ خاص ہے نہ کہ خالق کے ساتھ۔

سوال: کیا زمین گھومتی ہے؟

جواب: دیوبندیوں نے جو فقہِ اکبر کی شرح لکھی ہے اس میں انہوں نے اس جگہ یہ لکھا ہے کہ: زمین گھومتی ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ خیال رہے کہ اسلامی تعلیم کے اعتبار سے نہ زمین گھومتی ہے نہ آسمان بلکہ چاند، سورج اور تارے آسمان پر تیر رہے ہیں جیسے سمندر میں کشتیاں، جیسے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ۔

ترجمہ کنزالایمان: اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ سب ایک گھیرے میں تیر رہے ہیں۔

زمین کے گردش نہ کرنے پر اعلی حضرت رضی اللہ عنہ نے ایک رسالہ بنام ”نزول اٰیاتِ فرقان بسکونِ زمین واٰسمان“ یعنی زمین اور آسمان کے ساکن ہونے کے بارے میں حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی (قرآن مجید کی) آیتوں کا نازل ہونا) تحریر فرمایا ہے جو کہ فتاوی رضویہ کی جلد نمبر ۲۷ میں موجود ہے، اس کتاب کا مطالعہ اس موضوع کے لئے بہت مفید ہے۔ نیز سائنسی دلائل کے رد پر ایک کتاب اور ہے جس کا نام ”الفوز المبین“ ہے یہ بھی فتاوی رضویہ میں موجود ہے۔

8: مَا فَطَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ النَّاسَ:

خَلَقَ الْخَلْقَ سَلِيْماً مِنَ الْكُفْرِ وَ الْاِيْمَانِ، ثُمَّ خَاطَبَهُمْ وَ اَمَرَهُمْ وَ نَهَاهُمْ ،فَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ بِفِعْلِهٖ وَاِنْكَارِهٖ وَجُحُوْدِهِ الْحَقَّ بِخِذْلَانِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِيَّاهُ ،وَاٰمَنَ مَنْ اٰمَنَ بِفِعْلِهٖ وَاِقْرَارِهٖ وَتَصْدِيْقِهٖ بِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِيَاهُ وَ نُصْرَتِهٖ لَهٗ۔

ترجمہ: اللہ تَعَالٰی نے مخلوقات کو کفر اور ایمان سے عاری (خالی) پیدا فرمایا ہے، پھر مخلوقات سے خطاب فرمایا اور انہیں (بعض باتوں کا) حکم دیا اور (بعض باتوں سے) منع فرمایا، پس جس نے کفر کیا اس نے اپنے فعل سے کفر کیا، اور بندے کا حق تَعَالٰی کا انکار کرنا اور بندہ کا حق تَعَالٰی کو جھٹلانا، اللہ تَعَالٰی کے اس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے ہے، اور جو ایمان لایا اس نے اپنے فعل اور اپنے اقرار اور اپنی تصدیق (اپنی مرضی و اختیار) کے ذریعہ اللہ تَعَالٰی کی توفیق اور مدد سے ایمان لایا۔

سوال: کیا اللہ تَعَالٰی نے مخلوقات کو کفر و ایمان کے وصف کے ساتھ پیدا فرمایا ہے؟

جواب: نہیں! اللہ تَعَالٰی نے مخلوقات کو کفر و ایمان کے آثار سے خالی پیدا فرمایا ہے، ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ ان میں دونوں چیزوں کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا فرمائی ہے، اسی لئے ان سے عصیان و احسان دونوں واقع ہوتے ہیں۔

سوال: ”ثُمَّ خَاطَبَهُمْ وَ اَمَرَهُمْ وَنَهَاهُمْ“ اس سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ: اللہ تعَالٰی نے مخلوقات کو کفر و ایمان سے عاری پیدا فرما کر بندوں کو مکلف بنانے کے وقت اربابِ رسالت و اصحابِ سعادت (انبیاء و رسل) کی زبان سے ایمان و طاعت کا حکم ارشاد فرمایا اور کفر و معصیت سے منع فرمایا۔

سوال: دنیا میں آکر جو کفر کرتا ہے وہ کس وجہ سے کرتا ہے؟

جواب: جس نے دنیا میں آکر کفر کیا، اس نے اپنے اختیار سے، جہالت و اصرار کے سبب کفر کیا، اور عناد و تکبر کے سبب جھٹلایا، اور یہ ساری چیزیں اللہ تعَالٰی کے اپنی مدد و توفیق چھین لینے کی وجہ سے ہوا ہے، ورنہ اس کی کیا مجال کہ یہ رب تعَالٰی کو جھٹلائے، صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعَالٰی نے اپنی توجہ اس سے پھیر لی، اور یہ اللہ تعَالٰی کا عدل ہے نہ کہ ظلم، کہ اللہ تعَالٰی پارہ ۱۱ سورۂ یونس کی آیت نمبر ۴۴ میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْــٴًـا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا، ہاں لوگ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

سوال: دنیا میں آکر جو ایمان لاتا ہے وہ کس وجہ سے ایمان لاتا ہے؟

جواب: جو شخص دنیا میں ایمان کو اختیار کرتا ہے وہ فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرکے اللہ کی مدد و توفیق سے ایمان لاتا ہے۔

اَخْرَجَ ذُرِّيَّةَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ صُلْبِهٖ عَلٰى صُوَرِ الذَّرِّ فَجَعَلَ لَهُمْ عَقْلاً، فَخَاطَبَهُمْ وَ اَمَرَهُمْ بِالْاِيْمَانِ وَ نَهَاهُمْ عَنِ الْكُفْرِ فَاَقَرُّوْا لَهٗ بِالرُّبُوْبِيَّةِ، فَكَانَ ذَالِكَ مِنْهُمْ اِيْمَاناً. فَهُمْ يُوْلَدُوْنَ عَلٰى تِلْكَ الْفِطْرَةِ، وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَالِكَ فَقَدْ بَدَّلَ وَ غَيَّرَ ،وَ مَنْ اٰمَنَ وَ صَدَّقَ فَقَدْ ثَبَتَ عَلَيْهِ وَ دَامَ۔

ترجمہ: اللہ تَعَالٰی نے حضرتِ آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پشت سے چیونٹیوں کی شکل میں نکالا، اور انہیں عقل عطا فرمائی، پس ان سے خطاب فرمایا، اور انہیں ایمان لانے کا حکم دیا، اور کفر سے منع فرمایا، (جس پر) انہوں نے اللہ تَعَالٰی کی ربوبیت کا اقرار کیا، اور (اس طرح) وہ ایمان لے آئے، پس وہ (دنیا میں) اسی دینِ فطرت پر پیدا ہوتے ہیں، اور جو اس کے بعد (عالمِ ارواح میں اقرار کرنے کے بعد دنیا میں) کفر کیا تو اس نے (در اصل اپنی فطرت کو) بدل دیا اور متغیر کر دیا (یعنی ایمان کو کفر سے بدل دیا) اور جو شخص ایمان لایا اور (حق کی) تصدیق کی وہ (گویا اسی دینِ) فطرت پر ثابت قدم رہا، اور مداومت اختیار کی۔

سوال: ''اَخْرَجَ ذُرِّيَّةَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ صُلْبِهٖ عَلٰى صُوَرِ الذَّرِّ'' سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تَعَالٰی نے حضرتِ آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد ان کی پشت مبارک سے قیامت تک پیدا ہونے والی اولاد کو چھوٹی چیونٹی کی شکل میں ان کے دائیں بائیں بکھیر دیا، جن میں بعض سفید اور بعض سیاہ تھے، پھر اللہ تَعَالٰی نے ان کو عقل عطا کر کے فرمایا '' اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ '' (کیا میں تمہارا رب

نہیں ہوں) تو انہوں نے اللہ تَعَالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہوئے کہا'' بَلٰی '' (کیوں نہیں) یہ مضمون پارہ ۹ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۷۲ میں موجود ہے۔

سوال: اللہ تَعَالیٰ نے اولادِ آدم کو کن چیزوں کا حکم فرمایا اور کن چیزوں سے منع فرمایا؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ نے اولادِ آدم کو ایمان و احسان کا حکم ارشاد فرمایا، اور کفر و شرک سے منع فرمایا، لہذا ان سب نے عالمِ ارواح میں اپنے رب کی ربوبیت کا اقرار کیا، پس اب جو بھی انسان دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ اسی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، جیسے کہ پارہ ۲۱ سورۂ روم کی آیت نمبر ۳۰ میں فرمانِ باری تَعَالیٰ ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ کنزالایمان: تو اپنا منہ سیدھا کرو اللہ کی اطاعت کے لیے ایک اکیلے اسی کے ہو کر اللہ کی ڈالی ہوئی بِنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی بنائی چیز نہ بدلنا یہی سیدھا دین ہے مگر بہت لوگ نہیں جانتے۔ (منح الروض الازہر ص ۸۱)

اس آیت کے تحت صدر الافاضل حضرت نعیم الدین مرادآبادی خزائن العرفان میں لکھتے ہیں: ''فطرت سے مراد دینِ اسلام ہے معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خَلق کو ایمان پر پیدا کیا جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ ہر بچّہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے یعنی اسی عہد پر جو "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ " فرما کر لیا گیا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے ''پھر اس

کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں"۔ اس آیت میں حکم دیا گیا کہ دینِ الٰہی پر قائم رہو جس پر اللہ تعالٰی نے خَلق کو پیدا کیا ہے۔

سوال: "وَ مَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذَالِكَ فَقَدْ بَدَّلَ وَ غَیَّرَ، وَ مَنْ آمَنَ وَ صَدَّقَ فَقَدْ ثَبَتَ عَلَیْهِ وَ دَامَ" اس عبارت کی وضاحت فرمادیں۔

جواب: اس عبارت کی وضاحت یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں آکر اس عہد و ایمان کے بعد کفر کرتا ہے تو وہ اپنے ایمانِ فطری، وہبی کو کفرِ طاری، کسبی سے بدل دیتا ہے۔ اور کفر کی تاریکیوں میں جا پڑتا ہے۔

اور جو اس دنیا میں آکر اپنے ایمان کو ظاہر کرتا اور اقرارِ لسانی و تصدیقِ قلبی کے ذریعہ تصدیق کرتا ہے تو وہ اپنے اسی ایمانِ فطری، وہبی پر ثابت قدم رہا اور اسلام پر قائم و برقرار رہا۔

صلوا علی الحبیب
صلی اللّٰہ علی محمد
صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلم

وَ لَمْ يُجْبِرْ اَحَداً مِنْ خَلْقِهٖ عَلَى الْكُفْرِ وَ عَلَى الْاِيْمَانِ، وَ لَا خَلَقَهُمْ مُؤْمِناً وَلَا كَافِراً، وَ لٰكِنْ خَلَقَهُمْ اَشْخَاصاً، وَ الْاِيْمَانُ وَ الْكُفْرُ فِعْلُ الْعِبَادِ، يَعْلَمُ اللّٰهُ تَعَالىٰ مَنْ يَّكْفُرُ فِي حَالِ كُفْرِهٖ كَافِراً، فَاِذَا آمَنَ بَعْدَ ذَالِكَ عَلِمَهٗ مُؤْمِناً فِي حَالِ اِيْمَانِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّتَغَيَّرَ عِلْمُهٗ وَ صِفَتُهٗ، وَ جَمِيْعُ اَفْعَالِ الْعِبَادِ مِنَ الْحَرَكَةِ وَ السُّكُوْنِ كَسْبُهُمْ عَلَى الْحَقِيْقَةِ، وَ اللّٰهُ تَعَالىٰ خَالِقُهَا وَ هِيَ كُلُّهَا بِمَشِيْئَتِهٖ وَ عِلْمِهٖ وَ قَضَائِهٖ وَ قَدَرِهٖ۔

ترجمہ: اللہ تَعَالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے نہ تو کسی کو کفر کرنے پر مجبور کیا، اور نہ ہی ایمان لانے پر مجبور کیا، (اسی طرح) نہ تو اس نے انہیں مؤمن پیدا کیا اور نہ ہی کافر پیدا کیا، لیکن انہیں شناخت کے طور پر پیدا کیا، اور ایمان و کفر بندوں کا (اپنا اختیاری) فعل ہے، اور اللہ تَعَالیٰ اس شخص کو کافر جانتا ہے جو اپنے کفر کی حالت میں کفر کرتا ہے، اور جب وہ کفر کے بعد ایمان لاتا ہے تو اللہ تَعَالیٰ اس کو اس کے ایمان کی حالت میں مؤمن جانتا ہے، (اور یہ ساری چیزیں) اللہ تَعَالیٰ کے علم اور اس کی صفت کے متغیر ہوئے بغیر (ہوتی ہیں)۔ اور حرکت و سکون میں سے بندوں کے تمام افعال حقیقتاً انہیں کا کسب (کیا ہوا) ہے، اور اللہ تَعَالیٰ افعال کا خالق ہے، اور تمام کے تمام افعال اللہ تَعَالیٰ کی مشیئت، اس کے علم، اور اس کی قضاو قدر سے ہوتے ہیں۔

سوال: کیا اللہ تَعَالٰی نے کفر و ایمان اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے؟

جواب: نہیں! ہر گز نہیں، اللہ تَعَالٰی نے اپنی مخلوق میں سے نہ تو کسی کو کفر کرنے پر مجبور کیا اور نہ ہی ایمان لانے پر، یعنی اللہ تَعَالٰی نے طاعت و معصیت کو بطریقِ جبر و غلبہ بندے کے دل میں پیدا نہیں فرمایا، بلکہ بندے کے اختیار و کسب کے ساتھ ملا کر پیدا فرمایا، چاہے تو ایمان لائے، چاہے تو کفر کرے۔

سوال: "لٰکِنْ خَلَقَھُمْ اَشْخَاصاً" کی وضاحت کریں۔

جواب: اس عبارت کی وضاحت یہ ہے کہ: اللہ تَعَالٰی نے بندوں کو اس طور پر پیدا فرمایا کہ وہ خالص ایمان کو قبول کرنے اور کفر کو اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

پس بندوں کو اختیار دئے جانے کی وجہ سے یہ دونوں انہیں کے ہی فعل ہیں جیسے کہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

سوال: کیا اللہ تَعَالٰی کو بندوں کے کفر و ایمان کا علم ہوتا ہے؟

جواب: جی ہاں! جب بندہ دنیا میں آکر کفر کو اختیار کرتا ہے تو اللہ تَعَالٰی اسے کافر جانتا ہے، اور اسے ناپسند فرماتا ہے، اور جب وہ کفر کو چھوڑ کر ایمان لاتا ہے تو اللہ تَعَالٰی اسے مؤمن جانتا ہے، اور اسے پسند فرماتا ہے، اب بندے کے کفر و ایمان کے متغیر ہونے کی وجہ سے اللہ تَعَالٰی کا علم متغیر نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تَعَالٰی کو ازل سے اس بات کا علم تھا کہ یہ بندہ دنیا میں کیا کیا کرے گا۔

سوال: بندوں کے افعال کا کاسب و خالق کون ہے ؟

جواب: بندوں کے تمام افعال چاہے وہ کفر و ایمان ہو یا طاعت و عصیان، یا عادی افعال ہوں جیسے چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا وغیرہ، پس ان افعال کی نسبت اگر خود ان کے کرنے والوں کی طرف کی جائے تو ان افعال کے کاسب وہ خود ہیں، کیونکہ یہ افعال انہوں نے اپنے ارادے، قدرت و اختیار سے کئے ہیں، لیکن جب ان افعال و اعمال کو اللہ تَعَالٰی کی قدرت، ارادے، قضا و قدر کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان افعال کا خالق اللہ تَعَالٰی ہے، کیونکہ یہ تمام افعال و اعمال اللہ تَعَالٰی کی مشیئت و علم، قضا و قدر سے ہی سر انجام پاتے ہیں، کہ بے اس کے ارادے پتا بھی نہیں ہل سکتا۔

اور امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس عبارت ''وَ جَمِیْعُ اَفْعَالِ الْعِبَادِ مِنَ الْحَرَکَةِ وَ السُّکُوْنِ کَسْبُهُمْ عَلَی الْحَقِیْقَةِ'' سے معتزلہ کا رد فرمایا ہے کہ وہ بندوں کو ہی افعال و اعمال کا خالق مانتے ہیں، جو کہ باطلِ محض ہے، جیسے کہ اللہ تَعَالٰی نے پارہ ۲۴ سورۂ زمر کی آیت نمبر ۶۲ میں ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ٘ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ۔

ترجمۂ کنز الایمان: اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز کا مختار ہے۔

(منح الروض الازہر ص۸۷)

صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب!
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّم

9: اَلطَّاعَاتُ مَحْبُوْبَۃٌ لِلّٰہِ وَ الْمَعَاصِی مَقْدُوْرَۃٌ غَیْرُ مَحْبُوْبَۃٍ:

وَالطَّاعَاتُ کُلُّهَا مَا کَانَتْ وَاجِبَۃً بِاَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ بِمَحَبَّتِهٖ وَ بِرِضَائِهٖ وَ عِلْمِهٖ وَ مَشِیْئَتِهٖ وَ قَضَائِهٖ وَ تَقْدِیْرِهٖ ، وَ الْمَعَاصِی کُلُّهَا بِعِلْمِهٖ وَ قَضَائِهٖ وَ تَقْدِیْرِهٖ وَ مَشِیْئَتِهٖ لَا بِمَحَبَّتِهٖ وَلَا بِرِضَائِهٖ وَلَا بِاَمْرِهٖ۔

ترجمہ: اور تمام اطاعت و فرماں برداری والے کام جو واجب و ثابت ہیں وہ اللہ تَعَالٰی کے حکم، اس کی پسندیدگی اور اس کی رضا و علم و مشیئت، اس کے فیصلہ و تقدیر سے ہوتے ہیں، اور تمام گناہ والے کام اللہ تَعَالٰی کے علم، قضاو قدر اور مشیئت سے تو ہوتے ہیں (مگر ان کے ساتھ) اللہ تَعَالٰی کی پسندیدگی، رضا اور حکم نہیں ہوتا۔

سوال: کیا تمام طاعات اللہ تَعَالٰی کے حکم و رضا سے ہوتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! طاعات اپنے تمام تر اجناس کے ساتھ چاہے وہ واجبات میں سے ہوں یا مستحبات میں سے، قلیل ہوں یا کثیر، جو بھی ثابت و منقول و مفروض ہیں سب کے سب اللہ تَعَالٰی کے حکم سے ہیں، جیسے کہ اللہ تَعَالٰی نے پارہ ۷ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۹۲ میں ارشاد فرمایا:

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔

ترجمۂ کنز الایمان: اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔

اور طاعات اللہ تَعَالٰی کی پسندیدگی سے ہیں، جیسے کہ اللہ تَعَالٰی نے پارہ ۳ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۷۶ میں ارشاد فرمایا:

بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ وَ اتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۔

ترجمۂ کنزالایمان: ہاں کیوں نہیں جس نے اپنا عہد پورا کیا اور پرہیز گاری کی اور بے شک پرہیز گار اللہ کو خوش آتے ہیں۔

اور اس کی رضامندی سے ہیں، جیسے کہ اللہ تَعَالٰی نے پارہ ۳۰ سورۂ بینہ کی آیت نمبر ۸ میں ارشاد فرمایا:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ۔

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔

اور اللہ تَعَالٰی کے ارادے سے ہیں اور اس کے حکم اور اس کے لوحِ محفوظ میں لکھ دینے سے ہیں۔

سوال: کیا گناہ بھی اللہ تَعَالٰی کے حکم و رضا سے ہوتے ہیں؟

جواب: نہیں! بلکہ گناہ اپنے تمام تر اجناس کے ساتھ چاہے حرام ہوں یا مکروہ، صغیرہ ہوں یا کبیرہ، جو بھی ہیں وہ اللہ تَعَالٰی کے علم، قضا و قدر اور ارادے سے تو ہیں مگر گناہ میں اللہ تَعَالٰی کی ناپسندیدگی ہے، جیسے کہ اللہ تَعَالٰی نے پارہ ۳ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۳۲ میں ارشاد فرمایا:

فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ۔

ترجمۂ کنزالایمان: تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔

اور نہ ہی اس میں اللہ تَعَالٰی کی رضا ہوتی ہے، جیسے کہ اللہ تَعَالٰی نے پارہ ۲۳ سورۂ زمر کی آیت نمبر ۷ میں ارشاد فرمایا:

وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ۔

ترجمۂ کنزالایمان: اور اپنے بندوں کی ناشکری اسے پسند نہیں۔

اور نہ ہی اس میں اللہ تَعَالٰی کا حکم ہوتا ہے، جیسے کہ اللہ تَعَالٰی نے پارہ۸ سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۲۸ میں ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ۔

ترجمۂ کنزالایمان: تو فرماؤ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔

صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب!
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

10: اَلْقَوْلُ فِی عِصْمَةِ الْاَنْبِيَاءِ:

وَالْاَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ كُلُّهُمْ مُنَزَّهُوْنَ عَنِ الصَّغَائِرِ وَ الْكَبَائِرِ وَ الْكُفْرِ وَ الْقَبَائِحِ وَ قَدْ كَانَتْ مِنْهُمْ زَلَّاتٌ وَ خَطِيْئَاتٌ۔

ترجمہ: تمام انبیائے کرام علیہم السلام صغیرہ و کبیرہ گناہوں اور کفر و فواحش سے پاک ہوتے ہیں، اور ان میں سے بعض حضرات سے لغزشیں سرزد ہوئی ہیں۔

سوال: نبی کسے کہتے ہیں؟

جواب: اللہ تَعَالٰی نے مخلوق کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جن پاک بندوں کو اپنے احکام پہنچانے کے لئے بھیجا ان کو "نبی" کہتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام ہی وہ بشر (انسان) ہیں جن کے پاس اللہ تَعَالٰی کی طرف سے وحی آتی ہے۔

سوال: کیا جِنّ اور فرشتے بھی نبی ہوتے ہیں؟

جواب: نہیں، نبی صرف انسانوں میں سے ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی فقط مرد، کوئی عورت نبی نہیں ہو سکتی البتہ رسول انسانوں کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ فرشتوں میں بھی رسول ہیں۔

سوال: کیا انبیائے کرام معصوم ہوتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! تمام انبیائے کرام معصوم ہیں، اور اس حکم میں رسول بھی شامل ہیں۔

سوال: معصوم کس کو کہتے ہیں؟

جواب: جو اللّٰہ تَعَالٰی کی حفاظت میں ہو اور اس وجہ سے اس کا گناہ کرنا ناممکن ہو۔

سوال: انبیائے کرام کے متعلق ہمارا عقیدہ کیسا ہونا چاہئے؟

جواب: انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں ہم اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام شرک و کفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعثِ نفرت ہو، جیسے کذب و خیانت و جہل وغیرہا صفاتِ ذمیمہ سے، نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مُروّت کے خلاف ہیں قبلِ نبوت اور بعدِ نبوت بالاجماع معصوم ہیں اور کبائر سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمّدِ صغائر سے بھی قبلِ نبوّت اور بعدِ نبوّت معصوم ہیں۔

("روح البیان"، پ۲۳، ج۸، ص۴۵، تحت الآیۃ:۴۴)

اللہ تَعَالٰی نے انبیاء علیہم السلام پر بندوں کے لیے جتنے احکام نازل فرمائے اُنھوں نے وہ سب پہنچا دئے، جو یہ کہے کہ کسی حکم کو کسی نبی نے چھپا رکھا، تقیہ یعنی خوف کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے نہ پہنچایا، کافر ہے۔ ("الجامع لأحکام القرآن" للقرطبي، ج۳، الجزء الثاني، ص۱۴۵)

احکامِ تبلیغیہ میں انبیاء سے سہو و نسیان محال ہے۔ نیز اُن کے جسم کا برص و جذام وغیرہ ایسے امراض سے جن سے تنفّر ہوتا ہے، پاک ہونا ضروری ہے۔ اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی۔ ("تفسیر روح البیان"، ج۱، ص۱۰۰)

نبی کی تعظیم فرضِ عین بلکہ اصلِ تمام فرائض ہے۔ کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب، کفر ہے۔ ("تفسیر روح البیان"، پ۱۰، التوبۃ، ج۳، ص۳۹۴)

انبیاء کی کوئی تعداد معیّن کرنا جائز نہیں، کہ خبریں اِس باب میں مختلف ہیں اور تعداد معیّن پر ایمان رکھنے میں نبی کو نبوّت سے خارج ماننے، یا غیرِ نبی کو نبی جاننے کا احتمال ہے اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں، لہٰذا یہ اعتقاد چاہیے کہ اللہ (عزوجل) کے ہر نبی پر ہمارا ایمان ہے۔("المسامرۃ بشرح المسایرۃ"، ص۲۲۵)

سوال: کیا بعض انبیائے کرام سے لغزشیں ہوئی ہیں ؟ اور ان کا تذکرہ کرنا کیسا ہے ؟

جواب: جی ہاں! بعض انبیائے کرام علیہم السلام سے لغزشیں سرزد ہوئی ہیں، مگر ان کا ذکر تلاوتِ قرآن و روایتِ حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے، اوروں کو اُن سرکاروں میں لب کشائی کی کیا مجال...! مولیٰ عزوجل اُن کا مالک ہے، جس محل پر جس طرح چاہے تعبیر فرمائے، وہ اُس کے پیارے بندے ہیں، اپنے رب کے لئے جس قدر چاہیں تواضع فرمائیں، دوسرا اُن کلمات کو سند نہیں بنا سکتا اور خود اُن کا اطلاق کرے تو مردودِ بارگاہ ہو، پھر اُن کے یہ افعال جن کو زَلَّت و لغزش سے تعبیر کیا جائے ہزارہا حِکَم و مَصالح پر مبنی، ہزارہا فوائد وبرکات کی مُثمِر(ہزاروں فائدوں اور برکتوں کو لانے والی)ہوتی ہیں، ایک لغزشِ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھیے، اگر وہ نہ ہوتی، جنت سے نہ اترتے، دنیا آباد نہ ہوتی، نہ کتابیں اُترتیں، نہ رسول آتے، نہ جہاد ہوتے، لاکھوں کروڑوں مثُوبات (نیکیوں کے اجر) کے دروازے بند رہتے، اُن سب کا فتحِ باب ایک لغزشِ آدم کا نتیجہ مبارکہ و ثمرہ طیّبہ ہے۔

بالجملہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی لغزش، مَن وتُو کس شمار میں ہیں، صدیقین کی حَسَنَات سے افضل واعلیٰ ہے۔

"حَسَنَاتُ الأَبْرَارِ سَيِّاٰتُ الْمُقَرَّبِيْنَ." "نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لئے خطاؤں کا درجہ رکھتی ہیں۔ ("النبراس"، الملائکۃ علیہم السلام، ص۲۸۶)

11: اَلْقَوْلُ فِی الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم:

وَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نَبِیُّہٗ وَ عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ وَ صَفِیُّہٗ ، وَ لَمْ یَعْبُدِ الصَّنَمَ وَ لَمْ یُشْرِکْ بِاللّٰہِ طَرْفَۃَ عَیْنٍ قَطُّ ، وَلَمْ یَرْتَکِبْ صَغِیْرَۃً وَ لَا کَبِیْرَۃً قَطُّ۔

ترجمہ: اور محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس کے نبی اور اس کے بندے اور اس کے رسول اور اس کے چنے ہوئے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پلک جھپکنے کے برابر، لمحہ بھر کے لئے بھی نہ تو کسی بت کی پرستش کی ہے اور نہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی چھوٹے اور نہ ہی بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

سوال: اللہ کے پیارے نبی محمدِ عربی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے متعلق کیسا عقیدہ ہونا چاہئے؟

جواب: محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اللہ تعالیٰ کے نبی، بندے، رسول اور چنے ہوئے ہیں، حضور خاتم النبیّین ہیں، یعنی اللہ عزوجل نے سلسلہ نبوّت حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر ختم کر دیا، کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے زمانہ میں یا بعد کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا، جو حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے زمانہ میں یا حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بعد کسی کو نبوّت ملنا مانے یا جائز جانے، کافر ہے۔

("المعتقد المنتقد"، تکمیل الباب، ص۱۱۹۔۱۲۰)

حضور (صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم) افضل جمیع مخلوقِ الٰہی ہیں، کہ اوروں کو فرداً فرداًجو کمالات عطا ہوئے حضور (صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم) میں وہ سب جمع کر دئے گئے ("تفسیر الخازن"، ج۲، ص۳۴) اور اِن کے علاوہ حضور (صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم) کو وہ کمالات ملے جن میں کسی کا حصہ نہیں۔

("المواہب اللدنیۃ"، المقصد الرابع، الفصل الثاني، ج۲، ص۲۵۳)

سوال: ''وَلَمْ یَعْبُدِ الصَّنَمَ وَلَمْ یُشْرِكْ بِاللّٰهِ طَرْفَةَ عَیْنٍ قَطُّ'' اس عبارت سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ: محمدِ مصطفٰے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کبھی بھی کسی بت کی پوجا نہیں کی، اور نہ ہی پلک جھپکنے کے برابر اللہ تَعَالٰی کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، کہ انبیاء ورسل ان تمام باتوں سے معصوم ہوتے ہیں، اور نہ ہی صغیرہ وکبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے، کہ ان سے بھی انبیاء ورسل قبلِ اعلانِ نبوت بالاجماع معصوم ہوتے ہیں، بلکہ ہمارے آقا و مولی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سبب اللہ تَعَالٰی نے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دئے۔ جیسے کہ اللہ تَعَالٰی پارہ ۲۶ سورۂ فتح کی آیت نمبر ۲ میں ارشاد فرماتا ہے:

لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَ یَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔

ترجمۂ کنزالایمان: تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردے اور تمہیں سیدھی راہ دکھادے۔

12: اَلْمُفَاضَلَۃُ بَیْنَ الصَّحَابَۃِ:

وَ اَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اَبُوْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقُ، ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثُمَّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ ثُمَّ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ غَابِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ کَمَا کَانُوْا، نَتَوَلَّاھُمْ جَمِیْعاً وَلَا نَذْکُرُ الصَّحَابَۃَ اِلَّا بِخَیْرٍ۔

ترجمہ: اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وجود کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل حضرتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، پھر حضرتِ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، پھر حضرتِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، یہ حضرات حق پر ثابت قدم رہے جیسا کہ ماضی میں تھے، ہم ان سب سے محبت کرتے ہیں، اور ہم صحابہ کا ذکر نہیں کرتے مگر بھلائی کے ساتھ۔

سوال: صحابی کسے کہتے ہیں؟

جواب: جس نے ایمان کی حالت میں نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو دیکھا ہو اور ایمان ہی کی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو وہ صحابی ہے۔

سوال: کیا کوئی مسلمان عبادت و ریاضت کر کے کسی صحابی کے مَرتبہ کو پہنچ سکتا ہے؟

جواب: کوئی ولی، کوئی غوث، کوئی قُطب چاہے کتنی ہی عبادت کر لے، مرتبہ میں کسی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔

سوال: امامت کی کتنی قسمیں ہیں؟

جواب: امامت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) امامتِ صُغریٰ، اس سے مراد امامتِ نماز ہے۔

(۲) امامتِ کُبریٰ، اس سے مراد حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی نیابتِ مُطْلَقہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام دینی و دنیوی اُمور میں شریعت کے مطابق تصرُّفِ عام کا اختیار رکھے جیسے خلفائے راشدین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی خلافت اور یہاں اسی امامتِ کُبریٰ کا بیان ہے۔

سوال: ایک امام میں کِن کِن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟

جواب: امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ظاہر ہو، امام قریشی، مسلمان، مرد، آزاد، عاقل، بالغ اور اپنی رائے، تدبیر اور شوکت و قوّت سے مسلمانوں کے اُمور میں تصرُّف یعنی تبدیلی کر سکتا ہو یعنی صاحبِ سیاست ہو۔ اپنے علم، عدل اور شُجاعت و بہادری سے احکام نافذ کرنے اور دارُ الاسلام کی سرحدوں کی حفاظت اور ظالم و مظلوم کے انصاف پر قادر ہو۔

(کتاب العقائد ص ۴۶)

سوال: خلفائے راشدین سے کیا مراد ہے؟

جواب: حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد خلیفۂ بَرحَق حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت علیُّ المرتضٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر چھ ماہ کے

لئے حضرت امام حسن مجتبیٰ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ خلیفہ ہوئے ان حضرات کو خلفائے راشدین اور انہی کی خلافت کو ''خلافتِ راشدہ'' کہتے ہیں۔

سوال: ان خلفائے راشدین میں سب سے افضل کون ہیں؟

جواب: انبیاء و مُرسَلین کے بعد تمام مخلوقات سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ پھر حضرت علیُّ المرتضیٰ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں۔ ان حضرات کے فضائل کتبِ احادیث میں مسطور اور ان کے شمائل علما کی زبانوں پر مشہور ہیں۔ نیز یہ ترتیب رافضیوں کی رد ہے کہ وہ حضرتِ علی کو شیخین سے افضل جانتے ہیں۔

خلفائے اربعہ راشدین کے بعد بقیہ عشرہ مبشّرہ و حضرات حسنین و اصحابِ بدر و اصحابِ بیعۃ الرضوان کے لئے افضلیت ہے، اور یہ سب قطعی جنتی ہیں۔

("شرح المسلم" للنووي، کتاب فضائل الصحابۃ، ص ۲۷۲)

سوال: امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ''وَاَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اَبُوْبَکْرٍ الصِّدِّیْقُ'' فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد سب سے افضل ہیں حالانکہ انبیاء ورسل کے بعد سب سے افضل ہیں، اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ''وَ اَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اَبُوْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقُ'' فرمایا، اور اس سے مراد بعد وجودِ رسول

اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے، اور رہے عیسیٰ علیہ السلام تو ان کا وجود رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے پہلے ہے اگرچہ ان کا نزول قربِ قیامت ہو گا۔ اور امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی مراد بعدیتِ زمان ہے لہذا اس عبارت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، البتہ افضل الناس بعد الانبیاء کہنا بہتر تھا، تاکہ کوئی شکوک و شبہات پیدا نہ ہوتا۔
(منح الروض الازہر ص۱۰۷)

سوال: افضلیت سے کیا مراد ہے؟

جواب: افضلیت سے مراد ''اللہ تَعَالٰی کے یہاں زیادہ عزت و منزلت والا ہونا ہے''، اور اسی کو کثرتِ ثواب سے بھی تعبیر کرتے ہیں، اور ان حضرات کی خلافت بر ترتیبِ فضیلت ہے یعنی جو عند اللہ افضل و اعلی و اکرم تھا وہی پہلے خلافت پاتا گیا، نہ کہ افضلیت بر ترتیبِ خلافت۔ (بہار شریعت جلد ا ص۲۴۷)

سوال: اگر کوئی کہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یا حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے حضرت علیؓ المرتضٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ افضل ہیں تو اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟

جواب: ایسا کہنے والا شخص گمراہ بد مذہب ہے۔

سوال: ''غَابِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ کَمَا کَانُوْا'' اس عبارت سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: یہ عبارت روافض کا رد ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ: حضرتِ ابو بکر، عمر و عثمان رضی اللہ عنہم رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ظاہری وفات کے بعد

معاذ اللہ گمراہ ہوگئے اور انہوں نے خیانت کی، کہ حقدارِ خلافت حضرتِ علی رضی اللہ عنہ تھے۔لہذا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے رد میں فرمایا کہ تمام صحابہ اہلِ خیر وصلاح ہیں اور عادل ہیں، جس طرح رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زمانۂ مبارکہ میں اہلِ تقوی تھے ویسے ہی بعدِ وفاتِ ظاہری قائم و دائم رہے۔پس ہم اہلِ سنت و جماعت تمام صحابہ سے محبت کرتے اور ان کا ذکر خیر کے ساتھ کرتے ہیں، کہ کسی صحابی کے ساتھ سوئے عقیدت بد مذہبی و گمراہی و استحقاقِ جہنم ہے، کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: لَا تَسُبُّوا اَصْحَابِی۔میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔(منح الروض الازہر ص۱۲۵)

سوال: صحابۂ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان کے بارے میں ایک مسلمان کو کیسا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

جواب: حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے تمام صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ مُتّقی وپرہیز گار ہیں ان کا ذکر اَدب، محبت اور توقیر کے ساتھ لازم ہے، تمام صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جنّتی ہیں، روزِ محشر فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔

سوال: کسی صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں زبان درازی کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: کسی صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بدعقیدگی یا کسی کی شان میں بد گوئی کرنا انتہائی درجہ کی بدنصیبی اور گمراہی ہے۔ وہ فِرقہ نہایت بد بخت اور بد دین ہے جو صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ پر لَعن طَعن یعنی بُرا بھلا کہنے کو اپنا مذہب بنائے ان کی دشمنی کو ثواب کا

ذریعہ سمجھے۔ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ کی بڑی شان ہے، ان کی تکلیف سے حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو ایذا ہوتی ہے۔

صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب!
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

13: لَایُکَفِّرُ مُسْلِمٌ بِذَنْبٍ مَالَمْ یَسْتَحِلَّہُ

وَ لَا نُکَفِّرُ مُسْلِماً بِذَنْبٍ مِنَ الذُّنُوْبِ وَ اِنْ کَانَتْ کَبِیْرَۃً اِذَا لَمْ یَسْتَحِلَّھَا، وَلَا نُزِیْلُ عَنْہُ اِسْمَ الْاِیْمَانِ وَ نُسَمِّیْہِ مُؤمِناً حَقِیْقَۃً ،وَ یَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ مُؤمِناً فَاسِقاً غَیْرَ کَافِرٍ۔

ترجمہ: اور ہم گناہوں میں سے کسی گناہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر قرار نہیں دیتے اگرچہ وہ گناہ بڑا ہو، جب تک وہ اس گناہ کو ہلکا نہ جانے، ہم ایسے شخص سے ایمان کو زائل نہیں سمجھتے، اور ہم اس کو حقیقی مؤمن ہی موسوم کرتے ہیں، اور اس کا فاسق مؤمن ہونا روا ہے نہ کہ کافر۔

سوال: مرتکبِ کبیرہ کے متعلق مؤمن و کافر ہونے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اس کے متعلق اختلاف ہے چنانچہ:

مذہبِ خوارج: یہ لوگ مرتکبِ کبیرہ کو کافر کہتے ہیں۔

مذہبِ اہلِ سنت: اہلِ سنت کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں، جب تک کہ وہ اس گناہ کو حلال نہ جانے۔ اور ''لَا نُکَفِّرُ مُسْلِماً بِذَنْبٍ مِنَ الذُّنُوْبِ وَ اِنْ کَانَتْ کَبِیْرَۃً اِذَا لَمْ یَسْتَحِلَّھَا'' اس عبارت سے امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے خوارج کا رد فرمایا ہے۔

سوال: "وَلَا نُزِیْلُ عَنْہُ اِسْمَ الْاِیْمَانِ" اس عبارت سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: یہ عبارت معتزلہ کا رد ہے، کہ وہ لوگ مرتکبِ کبیرہ کو مؤمن نہیں جانتے، بلکہ اس کے ایمان سے خارج ہونے اور کفر میں داخل نہ ہونے کا قول کرتے ہیں، جبکہ اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ مؤمن ہی رہتا ہے۔ اور ہم مرتکبِ کبیرہ کو حقیقی طور پر لفظِ مؤمن سے موسوم کرتے ہیں، نہ کہ مجازاً، اس لئے کہ ایمان تصدیق بالجنان اور اقرار باللسان کو کہتے ہیں، جبکہ عمل بالارکان کمالِ ایمان وجمالِ احسان میں سے ہے، لہذا عمل بالارکان کے زوال سے تصدیقِ قلبی اور اقرارِ لسانی زائل نہیں ہوتی ہے۔

سوال: تو کیا مرتکبِ کبیرہ کو مؤمن کہنا جائز ہے؟

جواب: جی ہاں! مرتکبِ کبیرہ اپنے تصدیق واقرار کی وجہ سے مؤمن ہی ہے، مگر عصیان واصرار کی وجہ سے فاسق ہو گیا، لہذا یہ فاسق مؤمن ہوا، نہ کہ کافر۔

صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب!
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

14: ذِكْرُ بَعْضٍ مِّنْ عَقَائِدِ اَهْلِ السُّنَّةِ:

وَ الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ سُنَّةٌ ،وَ التَّرَاوِيْحُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ سُنَّةٌ،وَ الصَّلٰوةُ خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَ فَاجِرٍ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ جَائِزَةٌ۔

ترجمہ: اور موزوں پر مسح کرنا سنت ہے، اور رمضان کے مہینے میں تراویح کی نماز ادا کرنا سنت ہے، اور ہر نیک و بد صاحبِ ایمان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

سوال: مسح علی الخفین وتراویح کا حکم کیا ہے؟

جواب: مقیم کے لئے ایک دن ورات، اور مسافر کے لئے تین دن ورات موزوں پر مسح کرنا سنت ہے، جو کہ تواتر سے ثابت ہے۔

رمضان کی راتوں میں تراویح کی نماز سنتِ موکدہ ہے جس کی باقاعدہ جماعت کا آغاز فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا اور فرمایا: ھذہ نعمت البدعۃ۔

سوال: "صلوا خلف کل برّ و فاجر" نماز، برّ وفاجر کی اقتدا میں جائز ہے، اس جواز سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہ جواز اس معنی پر ہے کہ فرض اتر جائے گا، نہ یہ کہ کوئی کراہت نہیں۔ فتاوی شامی میں ہے کہ "فاسق و مبتدع کے پیچھے نماز مکروہ و منع ہے"۔ اصل بات یہ ہے کہ نمازِ عام کی امامت سلاطین خود کرتے ہیں یا وہ، جسے وہ مقرر کریں اور بعض وقت حُکّام بد مذہب یا فاسق بھی ہوئے، اُن کے پیچھے نماز پڑھنے سے وہی اندیشہ تھا تلوار اور تازیانہ کا، اسی بنا پر یہ حدیث آئی ہے کہ ضرورت کے وقت ان کے پیچھے پڑھ لے۔ اور علماء نے فرمایا ہے

کہ " یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس کا فسق حدِ کفر تک نہ پہنچا ہو اور کوئی مرد صالح موجود نہ ہو"۔ (أشعۃ اللمعات، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ، ج ا، ص ۵۱۷، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ)

اور پھر صاحبِ مرقات نے اس حدیث کے نیچے صاف لکھ دیا ہے کہ " ان کے پیچھے نماز مکروہ " ہے۔

(مرقاۃ شرح المشکاۃ، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ، ج ۳، ص ۲۰۱، رقم الحدیث: ۱۱۲۵، دار الفکر، بیروت)

علاوہ بریں اس حدیث کی صحت میں بھی علمائے محدثین، مثل دار قطنی وغیرہ کو کلام ہے اور اس حدیث کا شروع کا ٹکڑا یہ ہے۔ "جاهدوا مع کل بر اًکان أو فاجر اً" یعنی ہر سلطان کے ساتھ جہاد کرو چاہے وہ نیک ہو یابد۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں بادشاہوں کا ذکر ہے۔ مگر غیر مقلّدین اس حدیث پر اپنی خاص غرضوں کیلئے زور دیتے ہیں کہ اگرچہ مبتدع اور فاسق ہیں مگر ان کے پیچھے نماز پڑھنی واجب ہے اور ان کے پیشوا اسمٰعیل دہلوی نے بھی یہی حدیث لوگوں کو وعظ میں سنا کر جہاد پر ابھارا تھا۔

(إظهار الحق الجلی ص ۲۷۔۲۸)

دیوبندیوں کا فریب

دیوبندیوں نے فقہِ اکبر کی جو اردو شروحات لکھی ہیں ان میں اسی مقام پر لکھا ہے کہ "صلوا خلف کل بِرّ و فاجر" والی حدیث کی بناء پر ہر نیک و بد صاحبِ ایمان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ جبکہ اس میں تفصیل ہے جیسے کہ مذکور ہوا۔

سوال: امامِ اعظم نے مذکورہ اعمالِ ثلاثہ کو عقائد کے بیان میں کیوں ذکر فرمایا؟

جواب: مذکورہ اعمالِ ثلاثہ (مسح علی الخفین، تراویح، اقتداء میں نماز ادا کرنا) باطل فرقوں کا رد ہے، اور یہ عقائد اہلِ سنت میں سے ہے۔ چنانچہ امامِ اعظم رضی اللہ عنہ سے مذہبِ اہلِ سنت کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: شیخین (صدیق و فاروق) کو فضیلت دینا اور ختنین (عثمان و علی) سے محبت کرنا اور مسح علی الخفین کو جائز جاننا ہے۔

کیونکہ آپ کے دور میں کئی باطل فرقوں نے جنم لیا اور عجیب و غریب عقائد و نظریات پیش کرنے لگے، انہیں باطل فرقوں میں سے ایک خوارج تھا کہ وہ لوگ ختنین (عثمان و علی) سے بغض و نفرت کرتے تھے۔ اور ایک روافض تھا کہ وہ لوگ ختنین کو شیخین (صدیق و فاروق) پر فضیلت دیتے اور شیخین کو برا کہتے۔ اور ایک معتزلہ تھا جو مسح علی الخفین کو ناجائز جانتا تھا۔ اور کچھ لوگ نمازِ تراویح کو بدعت کہتے تھے۔ اور کچھ لوگ ہر ایک کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے اگرچہ وہ گمراہ گر ہو۔

پس امامِ اعظم نے اپنے دور میں اہلِ سنت و جماعت کی علامت و پہچان یہ بتائی: موزوں پر مسح کرنا سنت ہے، اور رمضان کے مہینے میں تراویح کی نماز ادا کرنا سنت ہے، اور ہر نیک و بد صاحبِ ایمان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور نماز پڑھنے کی تفصیل گزر چکی ہے۔

وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ، وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّهٗ لَا يَدْخُلُ النَّارَ، وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّهٗ يُخَلَّدُ فِيْهَا وَ اِنْ كَانَتْ فَاسِقاً بَعْدَ اَنْ يَّخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِناً۔

ترجمہ: اور ہم یہ نہیں کہتے کہ مؤمن کو گناہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور وہ جہنم کی آگ میں داخل نہیں ہوگا، اور یہ بھی نہیں کہتے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا، اگرچہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو، بعد اس کے کہ وہ دنیا سے مؤمن رخصت ہوا ہو۔

سوال: کیا مؤمن کو گناہ نقصان دیتا ہے؟

جواب: اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک حصولِ ایمان و معرفت کے بعد ارتکابِ معصیت نقصان دے گا، اور سزا کے طور پر جہنم میں بھی جائے گا۔

متن کی یہ عبارت ''وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ، وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّهٗ لَا يَدْخُلُ النَّارَ'' فرقۂ مرجیہ کا رد ہے، کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ مرتکبِ ذنوب جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔

سوال: کیا گنہگار مؤمن جہنم میں ہمیشہ رہے گا؟

جواب: اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک گنہگار مؤمن جو ایمان کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوا ہو وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہے گا، بلکہ سزا پوری کر کے بالآخر جنت میں داخل کیا جائے گا، جیسے کہ پارہ ۵ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۴۸ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا۔

ترجمہ کنز الایمان: بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے، اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑے گناہ کا طوفان باندھا۔

اس آیت کی تفسیر میں صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں: معنی یہ ہیں کہ جو کفر پر مَرے اس کی بخشش نہیں اس کے لئے ہمیشگی کا عذاب ہے اور جس نے کفر نہ کیا ہو وہ خواہ کتنا ہی گنہگار مرتکبِ کبائر ہو اور بے توبہ بھی مر جائے تو اُس کے لئے خلود نہیں اِس کی مغفرت اللہ کی مشیّت میں ہے چاہے معاف فرمائے یا اُس کے گناہوں پر عذاب کرے پھر اپنی رحمت سے جنّت میں داخل فرمائے اس آیت میں یہود کو ایمان کی ترغیب ہے ،اور اس پر بھی دلالت ہے کہ یہود پر عُرفِ شرع میں مُشرِک کا اطلاق درست ہے۔

متن کی یہ عبارت ''وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّهٗ يُخَلَّدُ فِيْهَا وَ اِنْ كَانَتْ فَاسِقاً بَعْدَ اَنْ يَّخْرُجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤمِناً''، فرقہ معتزلہ کا رد ہے، کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ: صاحبِ معصیت ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

صَلُّوا عَلَى الْحَبِيْب!
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُحَمَّد
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّ حَسَنَاتِنَا مَقْبُوْلَةٌ وَ سَيِّئَاتِنَا مَغْفُوْرَةٌ كَقَوْلِ الْمُرْ جِئَةِ ،وَ لٰكِنْ نَقُوْلُ :مَنْ عَمِلَ حَسَنَةً بِشَرَائِطِهَا خَالِيَةً عَنِ الْعُيُوْبِ الْمُفْسِدَةِ وَ الْمَعَانِي الْمُبْطِلَةِ لَمْ يُبْطِلْهَا بِالْكُفْرِ وَ الرِّدَّةِ وَ الْاَخْلَاقِ السَّيِّئَةِ حَتّٰى خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا مُؤْمِناً ،فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ لَا يُضِيْعُهَا بَلْ يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَ يُثِيْبُهُ عَلَيْهَا۔

ترجمہ: اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں (اللہ تَعَالٰی کی بارگاہ میں) مقبول ہیں، اور ہماری برائیاں بخش دی گئی ہیں، جیسے کہ فرقہ ٔمرجیہ کا قول ہے، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جس نے کوئی اچھا عمل اس کے جملہ شرائط کے ساتھ اس طرح کیا کہ وہ اچھا عمل خراب کر دینے والے عیبوں اور باطل کرنے والی چیزوں سے خالی ہو، اور عامل نے اس اچھے عمل کو کفر، ردت (مرتد ہونے) اور برے اخلاق کے ذریعہ باطل بھی نہیں کیا، یہاں تک کہ وہ دنیا سے ایمان کی حالت میں رخصت ہوا، تو اللہ تَعَالٰی (اس کے) اس عمل کو ہرگز ضائع نہیں فرمائے گا، بلکہ اسے اس سے قبول فرمائے گا اور اس پر اس کو بدلہ بھی عطا فرمائے گا۔

سوال: کیا مؤمنین کی نیکیاں مقبول اور گناہ مغفور ہیں؟

جواب: اہلِ سنت و جماعت کا اس بارے میں عقیدہ یہ نہیں ہے کہ مؤمنین کی نیکیاں مقبول اور گناہ مغفور ہیں، جیسا کہ فرقہ ٔمرجیہ اس بات کے قائل ہیں کہ ان کی نیکیاں مقبول اور گناہ مغفور ہیں۔

سوال: تو پھر اس بارے میں اہلِ سنت و جماعت کا کیا عقیدہ ہے ؟

جواب: اس بارے میں اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جب کوئی نیکی اپنے تمام شرائط کے ساتھ واقع ہو اور ابتداءً عیوبِ مفسدہ ظاہرہ اور انتہاءً معانئ مبطلہ باطنہ جیسے کہ کفر، عجب اور ریا وغیرہ سے پاک و صاف ہو اور عامل نے اپنے عمل کو باطل بھی نہ کیا ہو، یہاں تک کہ وہ وفات پا گیا، تو یقیناً اللہ تَعَالٰی اس کے اس عمل کو ضائع نہیں فرمائے گا، جیسے کہ پارہ ۱۱ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۲۰ میں فرمان باری تَعَالٰی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ نیکوں کا نیگ (اَجر و انعام) ضائع نہیں کرتا۔

اور پارہ ۴ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۷۱ میں ارشادِ باری تَعَالٰی ہے:

وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

ترجمۂ کنز الایمان: اور یہ کہ اللہ ضائع نہیں کرتا اجر مسلمانوں کا۔

اور اپنے فضل و کرم سے قبول فرما کر اپنے وعدہ کے مطابق اسے اس عمل کا آخرت میں بدلہ عطا فرمائے گا۔

صَلُّوا عَلَى الْحَبِيْب!
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُحَمَّد
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

وَمَا کَانَ مِنَ السَّیِّئَاتِ دُوْنَ الشِّرْکِ وَ الْکُفْرِ وَ لَمْ یَتُبْ عَنْهَا صَاحِبُهَا حَتّٰی مَاتَ مُؤْمِناً فَاِنَّهٗ فِی مَشِیْئَةِ اللّٰهِ تَعَالیٰ اِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ بِالنَّارِ ،وَاِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَ لَمْ یُعَذِّبْهُ بِالنَّارِ اَبَداً،وَ الرِّیَاءُ اِذَا وَقَعَ فِی عَمَلٍ مِنَ الْاَعْمَالِ فَاِنَّهٗ یُبْطِلُ اَجْرَهٗ وَ کَذٰلِکَ الْعُجْبُ۔

ترجمه: اور شرک و کفر سے کمتر جتنے بھی گناہ ہیں (ان کا مرتکب) ان گناہوں سے توبہ نہ کیا یہاں تک کہ وہ ایمان کی حالت میں مر گیا تو وہ اللہ تَعَالیٰ کی مشیئت میں ہے، اگر چاہے تو اسے آگ کا عذاب دے اور اگر چاہے تو اس سے در گزر فرمائے، اور اسے جہنم کی آگ کا عذاب کبھی بھی نہ دے۔ اور ریا جب اعمال میں سے کسی عمل میں واقع ہو جائے تو ریا اس عمل کے اجر کو باطل کر دے گا، اور ایسے ہی عجب۔

سوال: کیا اللہ تَعَالیٰ گنہگار بندے کو بخش سکتا ہے یا عذاب ہی دے گا؟

جواب: تمام معاصی جو خصوصاً شرک اور عموماً کفر سے کمتر ہوں اور ان کا مرتکب بغیر توبہ کئے ایمان کی حالت میں مر گیا تو وہ اللہ تَعَالیٰ کی مشیئت میں ہے کہ اگر اللہ تَعَالیٰ چاہے تو اپنے عدل سے بقدرِ استحقاق عقاب (عذاب) دے، اور اگر چاہے تو اپنے فضل شفاعت کے ذریعہ معاف فرما دے، اور اسے جہنم میں داخل کئے بغیر ابتداءً ہی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داخل فرما دے۔

سوال: کیاریااور عجب اعمال کو باطل کر دیتے ہیں؟

جواب: جی ہاں! جب ریااعمال میں ابتداءً یااعمال پورے ہونے سے قبل درمیان میں واقع ہو جائے تو وہ اعمال کے اجر کو باطل کر دیتا ہے جیسے کہ دعوتِ اسلامی کے اِشاعَتی ادارے مکتبۃُ المدینہ کی مطبوعہ ۱۶۶ صَفحات پر مشتمل کتاب، "رِیاکاری" کے صَفحَہ ۱۶ پر ہے: تاجدارِ رسالت، شَہَنْشاہِ نُبُوَّت، مَخْزنِ جُودوسخاوت، پیکرِ عَظَمت و شرافت، مُحسنِ اِنسانیَّت صلی اللہ تَعَالیٰ علیہ واٰلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ عزوجل اُس عمل کو قَبول نہیں کرتا جس میں رائی کے دانے کے برابر بھی رِیا(یعنی دِکھاوا)ہو۔"

(اَلتَّرغِیب وَالتَّرہِیب ج ۱ ص ۳۶ حدیث ۲۷)

اور ایسے ہی عجب بھی اعمال کے اجر کو باطل کر دیتا ہے۔

سوال: ریاکی تعریف بیان کر دیں۔

جواب: رِیاکی تعریف یہ ہے: "اللہ عزوجل کی رِضا کے علاوہ کسی اور اِرادے سے عبادت کرنا۔" گویاعبادت سے یہ غَرَض ہو کہ لوگ اس کی عبادت پر آگاہ ہوں تاکہ وہ ان لوگوں سے مال بٹورے یالوگ اس کی تعریف کریں یااسے نیک آدَمی سمجھیں یااسے عزّت وغیرہ دیں۔ (اَلزّواجرج ۱ ص ۷۶)

سوال: عجب کی تعریف بیان کر دیں۔

جواب: عجب کی تعریف: منعم حقیقی جل وعلا کی نعمت وعطا کو بھول کر کسی دینی یا دنیوی نعمت کو اپناہی کمال تصور کرنا، اور اس کے زوال سے بے خوف ہو جانا عجب ہے۔

("اِحیاء العلوم"، کتاب ذم الکبر والعجب، ج۳، ص۴۵۴)

صَلُّوا عَلَى الْحَبِيْب! صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُحَمَّد

15: آیَاتُ الْاَنْبِیَاءِ وَ کَرَامَاتُ الْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ:

وَ الْاٰیَاتُ لِلْاَنْبِیَاءِ وَ الْکَرَامَاتُ لِلْاَوْلِیَاءِ حَقٌّ، وَ اَمَّا الَّتِی تَکُوْنُ لِاَعْدَائِہٖ مِثْلَ اِبْلِیْسَ وَ فِرْعَوْنَ وَ الدَّجَّالِ مِمَّا رُوِیَ فِی الْاَخْبَارِ اَنَّہٗ کَانَ لَھُمْ فَلَا نُسَمِّیْھَا آیَاتٍ وَلَا کَرَامَاتٍ وَ لٰکِنْ نُسَمِّیْھَا قَضَاءَ حَاجَاتٍ لَھُمْ. وَ ذٰلِکَ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقْضِیْ حَاجَاتِ اَعْدَائِہٖ اِسْتِدْرَاجاً وَ عُقُوْبَۃً لَھُمْ. فَیَغْتَرُّوْنَ بِہٖ وَ یَزْدَادُوْنَ عِصْیَاناً اَوْ کُفْراً. وَ کَذٰلِکَ کُلُّہٗ جَائِزٌ وَ مُمْکِنٌ۔

ترجمہ: انبیائے کرام کے معجزات اور اولیائے کرام کی کرامات حق ہیں، اور رہے وہ (خرقِ عادات کارنامے) جو دشمنانِ خدا کے لئے ہیں جیسے ابلیس، فرعون اور دجال جو احادیث میں مروی ہے کہ ان کے لئے ہے تو ہم ان کو معجزات اور کرامات سے موسوم نہیں کرتے لیکن ہم انہیں ان کی حاجات کی تکمیل کا نام دیتے ہیں، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعَالیٰ ڈھیل دینے اور ان کو سزا دینے کے طور پر اپنے دشمنوں کی حاجات پوری کرتا ہے تاکہ وہ ان کے ذریعہ دھوکے میں رہیں، اور کفر و شرک میں زیادتی کریں اور یہ سب جائز و ممکن ہے۔

سوال: معجزہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: وہ عجیب و غریب کام جو عام طور پر یعنی عادۃً ناممکن ہوں اور ایسی باتیں اگر نبوّت کا دعویٰ کرنے والے سے اس کی تائید میں ظاہر ہوں تو ان کو ''معجزہ'' کہتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کے عصا کا اژدہا بن جانا، حضرت سلیمان عَلَیْہِ

الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کا میلوں دور سے چیونٹی کی آواز سن لینا، حضرت داؤد عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کے ہاتھ میں لوہے کا موم کی طرح نرم ہو جانا، حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کا مُردوں کو زندہ کرنا، ہمارے پیارے آقا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ڈوبے ہوئے سورج کو واپس لوٹانا، چاند کے دو ٹکڑے کرنا وغیرہ۔

سوال: ارہاص کسے کہتے ہیں؟

جواب: حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے قبل اعلان نبوت جو خلاف عادت اور عقل کو حیرت میں ڈالنے والے واقعات صادر ہوتے ہیں ان کو شریعت کی اصطلاح میں "ارہاص" کہتے ہیں۔

سوال: کرامت کسے کہتے ہیں؟

جواب: اولیاء اللہ سے جو بات خلافِ عادت ظاہر ہو اسے "کرامت" کہتے ہیں۔

سوال: عام مؤمنین اور کافرین سے خرقِ عادت صادر ہونے والی چیز کو کیا کہتے ہیں؟

جواب: اگر عام مؤمنین سے خرقِ عادت چیزوں کا ظہور ہو تو اس کو "معونت" کہتے ہیں اور کسی بے باک فاجر و کافر سے کبھی اس کی خواہش کے مطابق اس قسم کی چیز ظاہر ہو جائے تو اس کو "اِستدراج" (دھوکہ) کہا جاتا ہے۔ اور جو ان کے خلاف ظاہر ہو تو اسے اہانت کہتے ہیں۔ (النبراس شرح شرح العقائد، اقسام الخوارق سبعۃ، ص ۲۷۲)

سوال: کیا انبیائے کرام سے معجزہ اور اولیائے کرام سے کرامت کا صدور حق ہے؟

جواب: جی ہاں ! انبیائے کرام سے معجزات اور اولیائے کرام سے کرامات کا صدور حق ہے، کتاب و سنت سے ثابت ہے، لیکن معتزلہ اور دیگر اہلِ بدعت کراماتِ اولیاء کے منکر ہیں، شیعہ کرامات کو ائمۂ اثنا عشر کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

سوال: انبیائے کرام عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کو معجزات کیوں عطا کئے جاتے ہیں؟

جواب: معجزات انبیاء عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کی نبوّت کی دلیل ہیں۔ معجزات دیکھ کر آدمی کا دل نبی کی سچائی کا یقین کر لیتا ہے جس کے ہاتھ سے قُدرت کی ایسی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں جن کے آگے سب لوگ عاجز و حیران ہیں ضرور وہ خُدا کا بھیجا ہوا ہے چاہے ضِدّی دُشمن نہ مانے مگر دل یقین کر ہی لیتا ہے اور عقل والے ایمان لے آتے ہیں۔

سوال: جو چیزیں دشمنانِ خدا سے صادر ہوں، انہیں معجزہ یا کرامت کہہ سکتے ہیں ؟

جواب: ہر گز نہیں ! کہ جو اللہ تَعَالٰی کے دشمنوں جیسے ابلیس، فرعون اور دجال وغیرہ سے خرقِ عادت کارنامے صادر ہوتے ہیں یا ہوں گے جن کا تذکرہ احادیث میں ملتا ہے، ہم ان کو معجزات و کرامات کا نام نہیں دیتے، بلکہ وہ تو استدراج ہیں، جن کے ذریعہ دنیا میں دھوکہ اور آخرت میں سزا کے حقدار ہوتے ہیں، کہ اپنے موافق کارنامے ہوتے دیکھ کر

ان کو اچھا گمان کرتے اور کفر و سرکشی میں حد سے گزر جاتے ہیں، اور ان کے یہ کارنامے نقلاً ثابت اور عقلاً ممکن الوقوع ہیں۔

صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب!　　　　صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد

16: رُؤْيَةُ اللّٰهِ فِي الْآخِرَةِ:

وَ كَانَ اللّٰهُ تَعَالٰى خَالِقاً قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ، وَ رَازِقاً قَبْلَ اَنْ يَّرْزُقَ، وَ اللّٰهُ تَعَالٰى يُرىٰ فِي الْآخِرَةِ، وَ يَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ هُمْ فِي الْجَنَّةِ بِاَعْيُنِ رُؤُوْسِهِمْ بِلَا تَشْبِيْهٍ وَ لَا كَيْفِيَّةٍ وَلَا كَمِيَّةٍ وَ لَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ خَلْقِهٖ مَسَافَةٌ۔

ترجمہ: اور اللہ تَعَالٰی مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے بھی خالق تھا، اور مخلوقات کو رزق دینے سے پہلے بھی رازق تھا۔ اور آخرت میں اللہ تَعَالٰی کا دیدار ہو گا، اور مؤمنین جنت میں اپنے سروں کی آنکھوں سے اللہ تَعَالٰی کو دیکھیں گے، جو کہ بغیر تشبیہ، کیفیت اور کمیت کے ہو گی، اور اللہ تَعَالٰی اور اس کی مخلوقات کے درمیان کوئی دوری نہیں ہو گی۔

سوال: رؤیۃ باری تَعَالٰی کا ذکر تو گزر چکا ہے پھر دوبارہ کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس عقیدے کو مکرر بیان فرمایا، حالانکہ اس کا ذکر صفات کے بیان میں گزر چکا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے خواص و عوام جان لیں کہ یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے۔

سوال: کیا اللہ تَعَالٰی مخلوق کی تخلیق سے پہلے بھی خالق و رازق تھا؟

جواب: جی ہاں! جس طرح اللہ تَعَالٰی کی ذات قدیم، ازلی اور ابدی ہے اسی طرح اس کی صفات قدیم، ازلی اور ابدی ہیں، جس وقت کسی مخلوق کی تخلیق نہ فرمائی تھی اس وقت بھی رب تَعَالٰی خالق و رازق تھا، ہاں ان صفات کا ظہور اس وقت ہوا جب مخلوق وجود میں آئی۔

سوال: کیا قیامت کے دن اللہ تَعَالٰی کا دیدار ہو گا؟

جواب: جی ہاں! قیامت کے دن اللہ تَعَالٰی کا دیدار ہو گا جیسے کہ پارہ ۲۹ سورۂ قیامۃ کی آیت نمبر ۲۲۔۲۳ میں ارشادِ باری تَعَالٰی ہے:

وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ۔ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔

ترجمۂ کنزالایمان: کچھ منہ اس دن تروتازہ ہوں گے۔ اپنے رب کو دیکھتے۔

پس دنیا کی زندگی میں اللہ عزوجل کا دیدار نبی صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم کے لیے خاص ہے اور آخرت میں ہر سُنّی مسلمان کے لئے ممکن بلکہ واقع۔ رہا قلبی دیدار یا خواب میں، یہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام بلکہ اولیائے کرام کے لئے بھی حاصل ہے۔ ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ تَعَالٰی عنہ کو خواب میں ۱۰۰ بار زیارت ہوئی۔

اس کا دیدار بلا کیف ہے، یعنی دیکھیں گے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیسے دیکھیں گے، جس چیز کو دیکھتے ہیں اُس سے کچھ فاصلہ مسافت کا ہوتا ہے، نزدیک یا دور، وہ دیکھنے والے سے کسی جہت میں ہوتی ہے، اوپر یا نیچے، دہنے یا بائیں، آگے یا پیچھے، اُس کا دیکھنا اِن سب باتوں سے پاک ہو گا۔ پھر رہا یہ کہ کیونکر ہو گا؟ یہی تو کہا جاتا ہے کہ کیونکر کو یہاں دخل نہیں، اِن شاء اللہ تَعَالٰی جب دیکھیں گے اُس وقت بتا دیں گے۔ ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک عقل پہنچتی ہے، وہ خدا نہیں اور جو خدا ہے، اُس تک عقل رسا نہیں، اور وقتِ دیدار نگاہ اُس کا اِحاطہ کرے، یہ محال ہے۔(بہار شریعت جلد ا ص ۲۱۔۲۲) اہلِ سنت کا یہ

عقیدہ قرآن و حدیث و اجماع کے دلائلِ کثیرہ سے ثابت ہے۔ جبکہ روافض دیدارِ الٰہی کے منکر ہیں۔

17: تَعْرِيْفُ الْاِيْمَانِ:

وَ الْاِيْمَانُ هُوَ الْاِقْرَارُ وَ التَّصْدِيْقُ، وَاِيْمَانُ اَهْلِ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ، وَ الْمُؤْمِنُوْنَ مُسْتَوُوْنَ فِي الْاِيْمَانِ وَ التَّوْحِيْدِ مُتَفَاضِلُوْنَ فِي الْاَعْمَالِ۔

ترجمہ: ایمان زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کو کہتے ہیں، اور آسمان و زمین میں رہنے والوں کا ایمان کم اور زیادہ نہیں ہوتا ہے، اور مؤمنین ایمان و توحید کے معاملہ میں برابر ہوتے ہیں، البتہ اعمال کے اعتبار سے متفاوت ہوتے ہیں۔

سوال: ایمان کسے کہتے ہیں؟

جواب: تمام ضروریاتِ دین کا زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق یعنی ماننے کا نام ایمان ہے۔

سوال: اہلِ آسمان و زمین سے مراد کون ہیں؟ اور کیا ایمان زیادہ کم ہوتا ہے؟

جواب: اہلِ آسمان سے مراد ملائکہ اور جنتی ہیں، اور اہلِ زمین سے مراد انبیاء و اولیاء اور تمام مؤمنین ہیں، چاہے نیک ہوں یا بد، پس ان تمام کا ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے کہ ایمان تصدیق ہے، اور تصدیق علی وجہ التحقیق زیادتی و نقصان کو قبول نہیں کرتی۔

سوال: کیا تمام مؤمنین ایمان میں برابر ہیں؟

جواب: جی ہاں! تمام مؤمنین ایمان و توحید کے اعتبار سے برابر ہیں، ان میں کوئی کسی سے افضل و مفضول نہیں، ہاں! اعمال کے اعتبار سے متفاوت ہیں، کہ کسی کی کم نیکیاں

اور کسی کی زیادہ، اور اعمال ایمان کا جز نہیں، اہلِ سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے۔ بخلاف معتزلہ کے، کہ یہ اعمال کو ایمان کا جز مانتے ہیں، جس کی بنا پر ایمان کے کم و بیش کے قائل ہیں، لہذا متن کی یہ عبارت ''وَ الْمُؤْمِنُوْنَ مُسْتَوُوْنَ فِي الْاِيْمَانِ وَ التَّوْحِيْدِ مُتَفَاضِلُوْنَ فِي الْاَعْمَالِ'' معتزلہ کا رد ہے۔

18: عَلَاقَةُ الْاِسْلَامِ وَ الْاِیْمَانِ:

وَ الْاِسْلَامُ هُوَ التَّسْلِیْمُ وَ الْاِنْقِیَادُ لِاَوَامِرِ اللّٰہِ تَعَالٰی ، فَفِی طَرِیْقِ اللُّغَةِ فَرْقٌ بَیْنَ الْاِیْمَانِ وَ الْاِسْلَامِ وَ لٰکِنْ لَا یَکُوْنُ اِیْمَانٌ بِلَا اِسْلَامٍ وَلَا اِسْلَامٌ بِلَا اِیْمَانٍ، فَھُمَا کَالظَّھْرِ مَعَ الْبَطْنِ، وَ الدِّیْنُ اِسْمٌ وَاقِعٌ عَلَی الْاِیْمَانِ وَ الْاِسْلَامِ وَ الشَّرَائِعِ کُلِّھَا۔

ترجمہ: اور اسلام اللہ تَعَالٰی کے احکام کو تسلیم کرنے اور اطاعت کرنے کا نام ہے، پس لغوی اعتبار سے ایمان و اسلام کے درمیان فرق ہے، لیکن اسلام کے بغیر ایمان (کا تصور ممکن) نہیں،اور ایمان کے بغیر اسلام (کا تصور ممکن) نہیں، پس یہ دونوں باطن کے ساتھ ظاہر کی طرح ہیں، اور دین ایسا اسم ہے جو ایمان، اسلام اور تمام شرعی احکام پر واقع ہوتا ہے۔

سوال: اسلام وایمان کی لغوی واصطلاحی تحقیق بیان کریں۔

جواب: اسلام کا لفظ ،س،ل،م، کے مادہ سے بنا ہے جس کے دو معنی ہیں: (۱) تسلیم و اطاعت کرنا۔(۲) سلامتی و تحفظ حاصل کرنا۔ پس اسلام کا لفظ ان دونوں معنی پر مشتمل ہے یعنی اللہ تَعَالٰی کے احکام کو تسلیم کر کے اپنی زندگی اس کی اطاعت میں بسر کرنا اور یوں دنیا و آخرت میں اپنے لئے سلامتی و تحفظ کا یقینی بنالینا۔

ایمان کے لغوی معنی ہیں امن دینا۔ شریعت میں ایمان اُن اسلامی عقائد کا نام ہے جنہیں مان کر انسان عذابِ الٰہی سے امن میں آجاتا ہے، یعنی تمام ان چیزوں کو ماننا جو حضور ﷺ رب کی طرف سے لائے۔

سوال: کیا اسلام و ایمان کے درمیان کوئی فرق ہے؟

جواب: جمہور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام ایک ہی شے ہیں کیونکہ اسلام کا معنی خضوع (سر تسلیم خم کرنا، اور انقیاد (احکام کو قبول کرنا اور مان لینا) ہے اور خضوع و انقیاد یہ تصدیق ہی ہے اور ایمان کی تعریف تصدیق کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام و ایمان ایک ہی ہیں اسی طرح شرعا کسی شخص کو اس طرح کہنا جائز نہیں کہ وہ مسلمان ہے مؤمن نہیں یا مؤمن ہے مسلمان نہیں بلکہ جو مسلمان ہو گا تو وہ مؤمن بھی ہو گا اور جو مؤمن ہو وہ مسلمان بھی ہو گا۔ (شرح عقائد نسفیہ ص ۲۸۵)

سوال: دین کسے کہتے ہیں؟

جواب: جب دین کا لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے مراد تصدیق و اقرار اور انبیائے کرام کے لائے ہوئے احکام کو قبول کرنا ہوتا ہے، اور یہی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دین سے مراد ہے، نہ کہ یہ کہ دین نام ہے اسلام کا، یا ایمان کا، یا احکام کا، بسبیلِ انفراد، جیسے کہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے۔

صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب!
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

19: مَعْرِفَتُنَا بِاللّٰہِ تَعَالٰی:

نَعْرِفُ اللّٰهَ تَعَالٰی حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ فِيْ كِتَابِهٖ بِجَمِيْعِ صِفَاتِهٖ، وَلَيْسَ يَقْدِرُ اَحَدٌ اَنْ يَّعْبُدَ اللّٰهَ تَعَالٰی حَقَّ عِبَادَتِهٖ كَمَا هُوَ اَهْلٌ لَهٗ، وَلٰكِنَّهٗ يَعْبُدُهٗ بِاَمْرِهٖ كَمَا اَمَرَ۔

ترجمہ: ہم اللہ تَعَالٰی کی معرفت حاصل کرتے ہیں جو اس کی معرفت کا حق ہے، جیسا کہ اس نے اپنے آپ کو اپنی کتاب میں اپنی تمام صفات کے ساتھ بیان فرمایا، اور کوئی بھی شخص اللہ تَعَالٰی کی عبادت کرنے پر قادر نہیں، جو اس کی عبادت کا حق ہے، جیسا کہ وہ عبادت کا حقدار ہے، لیکن وہ (شخص) اللہ تَعَالٰی کی عبادت اس کے حکم سے کرتا ہے جیسا کہ اس نے حکم دیا۔

سوال: ہم اللہ تَعَالٰی کی معرفت کیسے حاصل کرتے ہیں؟

جواب: جو اللہ تَعَالٰی کی معرفت کا حق ہے (باعتبار مقدورِ عبد) اس اعتبار سے ہم اس کی معرفت حاصل کرتے ہیں جیسے کہ اس نے اپنے آپ کو اپنی کتاب قرآن پاک میں اپنی صفاتِ ثبوتیہ و صفاتِ سلبیہ کے ساتھ بیان کیا ہے، نہ کہ اللہ تَعَالٰی کی ذات کی کنہ کے اعتبار سے، جیسے کہ وارد ہوا: تُفَكَّرُوْا فِيْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تُفَكَّرُوْا فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ۔ یعنی ہر چیز میں غور و فکر کرو اور اللہ تَعَالٰی کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔ نیز اللہ تَعَالٰی قرآنِ پاک کے پارہ ۷ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۱۰۳ میں ارشاد فرماتا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ٘ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ٘ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔

ترجمہ کنز الایمان: آنکھیں اُسے احاطہ نہیں کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں اور وہی ہے نہایت باطن پورا خبر دار۔

صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: اِدراک کے معنی ہیں مَرئی کے جوانِب و حدود پر واقف ہونا اسی کو اِحاطہ کہتے ہیں۔ ادراک کی یہی تفسیر حضرت سعید ابنِ مسیّب اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے منقول ہے اور جمہور مفسّرین ادراک کی تفسیر احاطہ سے فرماتے ہیں اور احاطہ اسی چیز کا ہو سکتا ہے جس کے حدود وجہات ہوں، اللہ تعالٰی کے لئے حد وجِہت محال ہے تو اس کا ادراک و احاطہ بھی ناممکن، یہی مذہب ہے اہلِ سُنّت کا، خوارج و معتزِلہ وغیرہ گمراہ فرقے ادراک اور رویت میں فرق نہیں کرتے اس لئے وہ اس گمراہی میں مبتلا ہوگئے کہ انہوں نے دیدارِ الٰہی کو محالِ عقلی قرار دے دیا باوجودیکہ نفئ رویت نفئ علم کو مستلزم ہے ورنہ جیسا کہ باری تعالٰی بخلاف تمام موجودات کے بلا کیفیت و جِہت جانا جا سکتا ہے ایسے ہی دیکھا بھی جا سکتا ہے کیونکہ اگر دوسری موجودات بغیر کیفیت وجِہت کے دیکھی نہیں جاسکتی تو جانی بھی نہیں جاسکتی، راز اس کا یہ ہے کہ رویت و دید کے معنی یہ ہیں کہ بصر کسی شے کو جیسی کہ وہ ہو ویسا جانے تو جو شے جِہت والی ہوگی اس کی رویت و دید جِہت میں ہوگی اور جس کے لئے جِہت نہ ہوگی اس کی دید بے جہت ہوگی۔

نیز پارہ ۱۶ سورۂ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۱۰ میں ارشاد ہوا:

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔

ترجمۂ کنز الایمان: وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے اور ان کا علم اسے نہیں گھیر سکتا۔

یعنی تمام کائنات کا علم ذاتِ الٰہی کا احاطہ نہیں کر سکتا، اس کی ذات کا ادراک علومِ کائنات کی رسائی سے برتر ہے، وہ اپنے اسماء وصفات اور آثارِ قدرت و شیونِ حکمت سے پہچانا جاتا ہے۔

سوال: کیا بندے اللہ تَعَالٰی کی عبادت ایسے کرتے ہیں جیسے کہ وہ عبادت کا حقدار ہے؟

جواب: نہیں! جیسے اللہ تَعَالٰی کی عبادت کا حق ہے اور اللہ تَعَالٰی جیسی عبادت کا حقدار ہے، ویسی عبادت کرنے پر بندے قادر نہیں ہیں، کیونکہ بندے عاجز ہیں، اس کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے، جیسے کہ پارہ ۱۳ سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر ۳۴ میں رب تَعَالٰی فرماتا ہے:

وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَاؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ۔

ترجمۂ کنز الایمان: اور تمہیں بہت کچھ منہ مانگا دیا اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے بے شک آدمی بڑا ظالم بڑا ناشکرا ہے۔

نیز پارہ ۲۸ سورۂ تغابن کی آیت نمبر ۱۶ میں حکم دیا گیا کہ:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا۔

ترجمہ کنزالایمان: تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے، اور فرمان سنو اور حکم مانو۔

یعنی بقدر اپنی وسعت و طاقت کے طاعت و عبادت بجالاؤ۔

سوال: تو پھر بندے اللہ تَعَالٰی کی عبادت کیسے کرتے ہیں؟

جواب: بندے اپنے عجز کے وصف کے ساتھ اللہ تَعَالٰی کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں، اور بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ اگر ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنَ ''کی قراءت سے اللہ تَعَالٰی ہمیں حکم نہ ارشاد فرماتا تو ہم اس کی عبادت ادا نہ کر پاتے۔

وَ یَسْتَوِی الْمُؤْمِنُوْنَ کُلُّھُمْ فِی الْمَعْرِفَةِ وَ الْیَقِیْنِ وَ التَّوَکُّلِ وَ الْمَحَبَّةِ وَ الرِّضَاءِ وَ الْخَوْفِ وَ الرَّجَاءِ وَ الْاِیْمَانِ۔ وَ یَتَفَاوَتُوْنَ فِیْمَا دُوْنَ الْاِیْمَانِ فِی ذٰلِکَ کُلِّہٖ وَ اللّٰہُ تَعَالٰی مُتَفَضِّلٌ عَلٰی عِبَادِہٖ، عَادِلٌ قَدْ یُعْطِیْ مِنَ الثَّوَابِ اَضْعَافَ مَا یَسْتَوْجِبُہُ الْعَبْدُ تَفَضُّلاً مِنْہُ، وَ قَدْ یُعَاقِبُ عَلَی الذَّنْبِ عَدْلاً مِنْہُ وَ قَدْ یَعْفُوْ فَضْلاً مِنْہُ۔

ترجمہ: تمام مسلمان اللہ تَعَالٰی کی پہچان، اس پر یقین رکھنے، توکل کرنے، اس کی محبت اور رضامندی، اس سے ڈرنے، اور امید رکھنے، اور ایمان لانے (جیسے امور) میں برابر ہوتے ہیں، اور ان تمام امور میں ایمان کے سوا (دیگر اعتبارات سے) مختلف ہوتے ہیں۔ اور اللہ تَعَالٰی اپنے بندوں پر فضل کرنے والا عدل کرنے والا ہے، اور کبھی اپنے فضل سے بندے کو

اس کے استحقاق سے کئی گنا زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے، اور کبھی اپنے عدل سے بندے کو اس کے گناہ کی سزا دیتا ہے، اور کبھی اپنے فضل سے معاف فرما دیتا ہے۔

سوال: تمام مؤمنین کن امور میں ایک دوسرے کے برابر ہیں؟

جواب: تمام مؤمنین اللہ تَعَالٰی کی ذات و صفات کی معرفت رکھنے، اور دینی امور میں یقین رکھنے، اور اللہ تَعَالٰی پر بھروسا کرنے، اور اللہ و رسول سے محبت کرنے، اور قضا و قدر پر راضی رہنے، اور اللہ کے غضب و عذاب کا خوف کرنے، اور اللہ تَعَالٰی کی رضا و ثواب کی امید رکھنے، اور اللہ تَعَالٰی کی ذات کے ثبوت کا ایقان رکھنے میں برابر ہیں، کیونکہ ان امور میں کمی و زیادتی کا تصور نہیں۔

سوال: تمام مؤمنین کن امور میں ایک دوسرے سے متفاوت ہیں؟

جواب: جو امور ایمان (یعنی تصدیق و اقرار) کے علاوہ ہیں، ان امور میں تمام مؤمنین ایک دوسرے سے متفاوت ہیں، مثلاً قیامِ ارکان میں، تقوی کے مختلف درجات کے سبب، مراتبِ عصیان میں، فجار کے اختلاف کے سبب۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ: ایمان ایک ہے اور اہلِ ایمان، ایمان کی اصل میں برابر ہیں اور خشیت، تقوی، مخالفتِ ہوی اور ملازمتِ اولی کے اعتبار سے متفاضل و متفاوت ہیں۔۔(منح الروض الازہر ص۱۶۸)

سوال: اللہ تَعَالٰی کا عدل و فضل کیسا ہے؟

جواب: اللہ تَعَالٰی اپنے بعض بندوں پر اپنے فضل سے فضل فرمانے والا اور اپنے بعض بندوں کے ساتھ اپنے عدل سے عدل فرمانے والا ہے، اور کبھی اللہ تَعَالٰی محض اپنے

فضل سے بندہ جس کا مستحق ہوتا ہے اس سے کئی گنا زیادہ دنیا و آخرت میں ثواب عطا فرماتا ہے جیسے کہ پارہ ۳ سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۲۶۱ میں ارشاد ہوا:

وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لئے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

اور کبھی اللہ تعَالٰی گناہوں پر بغیر کسی زیادتی کے بندے کے مستحق ہونے کے بقدر اپنے عدل سے سزا فرماتا ہے جیسے کہ پارہ ۸ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۱۶۰ میں ارشادِ باری تعَالٰی ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔

ترجمۂ کنز الایمان: جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس ہیں، اور جو بُرائی لائے تو اسے بدلہ نہ ملے گا مگر اس کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

اور کبھی اپنے فضل سے بندے کے ساتھ سیئات سے درگزر فرماتا ہے، اور یہ درگزر فرمانا یا شفاعت سے ہو، یا اس کے علاوہ سے ہو، جیسے کہ پارہ ۲۵ سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۳۰ میں ارشادِ خداوندی ہے:

وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔

ترجمۂ کنز الایمان: اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے۔ (منح الروض الازہر ص ۱۶۹)

صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: یہ خطاب مؤمنینِ مکلَّفین سے ہے جن سے گناہ سرزد ہوتے ہیں، مراد یہ ہے کہ دنیا میں جو تکلیفیں اور مصیبتیں مؤمنین کو پہنچتی ہیں اکثر ان کا سبب ان کے گناہ ہوتے ہیں، ان تکلیفوں کو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کا کَفّارہ کر دیتا ہے اور کبھی مؤمن کی تکلیف اس کے رفعِ درجات کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں وارد ہے انبیاء علیہم السلام جو گناہوں سے پاک ہیں اور چھوٹے بچّے جو مکلَّف نہیں ہیں اس آیت کے مخاطب نہیں۔

نیز پارہ ۵ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۴۸ میں ارشاد ہوا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔

صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب!
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّم

20: شَفَاعَةُ الْاَنْبِيَاءِ، وَ الْمِيْزَانُ وَ الْحَوْضُ:

وَ شَفَاعَةُ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ حَقٌّ، وَ شَفَاعَةُ نَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم لِلْمُؤْمِنِيْنَ الْمُذْنِبِيْنَ وَ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْهُمُ الْمُسْتَوْجِبِيْنَ لِلْعِقَابِ حَقٌّ ثَابِتٌ۔ وَ وَزْنُ الْاَعْمَالِ بِالْمِيْزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ، وَ الْقِصَاصُ فِيْمَا بَيْنَ الْخُصُوْمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ، فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَسَنَاتُ طَرْحُ السَّيِّئَاتِ عَلَيْهِمْ جَائِزٌ وَ حَقٌّ۔ وَ حَوْضُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم حَقٌّ۔

ترجمہ: اور انبیائے کرام علیہم السلام کی شفاعت حق ہے، اور ہمارے نبی صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کی شفاعت گنہگار مؤمنین اور بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر کے سزا کے مستحق بن جانے والوں کے لئے حق ہے، اور ثابت ہے۔ اور قیامت کے دن ترازو کے ذریعہ اعمال کا وزن کیا جانا حق ہے۔ اور قیامت کے دن جھگڑوں کے درمیان بدلہ دلایا جانا حق ہے۔ اور اگر ان کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو ان پر گناہوں کا لادا جانا جائز اور حق ہے۔ اور نبی صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کا حوضِ (کوثر) حق ہے۔

سوال: شفاعت کسے کہتے ہیں؟

جواب: شفاعت کے معنی ہیں کوئی شخص اپنے بڑے کی بارگاہ میں اپنے چھوٹے کے لئے سفارش کرے۔ دھمکی یا دباؤ سے بات منوانے کو شفاعت نہیں کہتے اور نہ ہی

شفاعت ڈر کر یا دَب کر مانی جاتی ہے۔ اتنی بات تو عام لوگ بھی جانتے ہیں کہ دَب کر بات ماننا قبولِ سفارش نہیں بلکہ بزدلی و مجبوری اور ناچاری ہے۔

سوال: اَہلِ سُنَّت کا شفاعت کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟

جواب: خاصَّانِ خدا عَزَّوَجَلَّ کی شفاعت حق ہے اور اس پر اِجماع ہے۔ بکثرت آیاتِ قرآن اس کی گواہ ہیں اوراس بارے میں بہت زیادہ اَحادیثِ کریمہ بھی وَارِد ہیں، کتبِ دِینیہ اس سے مالامال ہیں۔ اس عقیدے کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ جل جلالہٗ خالق و مالک و شہنشاہِ حقیقی ہے، اس کو کسی سے کسی قسم کا نہ تو لالچ ہے اور نہ ہی ڈر، وہ تمام عالَم سے غنی ہے اور سب اُس کے محتاج ہیں۔ اسی نے اپنی قدرتِ کاملہ و حکمتِ بالغہ سے اپنے بندوں میں سے اپنے محبوبوں کو چن لیا اور اپنے تمام محبوبوں کا سردار، مَدَنی تاجدار، شفیعِ رَوزِ شمار، جنابِ احمدِ مختار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو کیا۔ وہ بکمالِ بے نیازی اپنے کرم سے اپنے محبوبانِ کرام کی ناز برداری فرماتا ہے۔ اس نے اپنے محبوبوں کی عظمت و جلالت اور شانِ محبوبیت دیگر بندوں پر ظاہر فرمانے، ان کی شان و شوکت ووَجاہت دکھانے کیلئے اُن کو اپنے بندوں کا شفیع بنایا۔ اُسی نے اپنے محبوب، دانائے غیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ العیوب صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی امّت کے اَولیاءِ کرام رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم کو یہ مرتبہ بخشا کہ اگر وہ اللہ تبارک وتَعَالٰی پر کسی بات کی قسم کھالیں تو رَبِّ کریم جَلَّ جَلَالُہٗ ان کی قسم کو سچا کر دے۔ اُسی نے ہمارے مالک وآقا، حضرتِ سیّدنا محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو اپنا خلیفۂ اعظم اور حبیبِ مکرّم بنایا اور پارہ ۳۰ سورۂ ضحی کی آیت نمبر ۵ میں اِرشاد فرمایا کہ:

وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی۔

ترجمۂ کنزالایمان: اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمھیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

سوال: وہ کون لوگ ہیں جن کی شفاعت قبول ہو گی؟

جواب: قرآن کریم نے شفاعت کے ثبوت کو دو اُصولوں میں منحصر رکھا ہے۔اول قبل اَز شفاعت اِذنِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ ، یعنی کسی کی شفاعت کرنے سے پہلے اجازتِ الٰہی حاصل ہونا۔ دوئم شفیع کانہایت صادِق ورَاست باز اور پوری، معقول اور ٹھیک بات کہنے والا ہونا۔ احادیثِ کریمہ اور کتبِ عقائد میں منقول ہے کہ اَنبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام و اَولیاء و علماء و شہداء و فقراء رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم کی شفاعت مولیٰ کریم اپنے کرم سے قبول فرمائے گا، بلکہ حفاظ، حجاج اور ہر وہ شخص جس کو کوئی منصبِ دِینی عنایت ہوا، اپنے اپنے متعلِّقین کی شفاعت کریں گے بلکہ نابالغ بچّے جو مر گئے ہیں اپنے ماں باپ کی شفاعت کریں گے۔ یہاں تک کہ علماء کے پاس آکر کچھ لوگ عرض کریں گے کہ ہم نے آپ کو فلاں وقت وُضو کے لئے پانی بھر دیا تھا، کوئی کہے گا کہ میں نے آپ کو اِستنجا کیلئے ڈَھیلا دیا تھا، اس پر وہ لوگ ان کی شفاعت کریں گے، بلکہ حدیث شریف میں تو یہاں تک ہے کہ مؤمن جب آتشِ دوزخ سے خلاصی پائیں گے تو اپنے اُن بھائیوں کی رِہائی کے لئے جو نارِ دوزخ میں ہوں گے ، اللہ عَزَّوَجَل کی بارگاہ میں شفاعت وسوال میں مبالغہ کریں گے اور اللہ عَزَّوَجَل سے اجازت پاکر مسلمانوں کی کثیر تعداد کو پہچان پہچان کر دَوزخ سے نکالیں گے۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، ذکر الاخبار عن وصف من یشفع فی القیامۃ۔۔۔الخ، الحدیث:۷۳۳۳، ج۹، ص۲۳۴)

سوال: بار گاہِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ میں سب سے پہلے کون شفاعت کرے گا؟

جواب: حضور پُر نور، شافعِ یوم ُالنُّشور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ خود اِرشاد فرماتے ہیں: اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب ذکر الشفاعۃ، الحدیث: ۴۳۰۸، ج ۴، ص ۵۲۲)

میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول ہو گی۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ جب تک بابِ شفاعت نہ کھولیں گے کسی کو مجالِ شفاعت نہ ہو گی، بلکہ حقیقۃً جتنے شفاعت کرنے والے ہیں سب حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے دَربارِ گہر بار میں شفاعت لائیں گے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بار گاہ میں مخلوقات میں صرف حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ شفیع ہیں۔

(ہمارا اسلام، شفاعت کا بیان، حصہ ۵، ص ۲۷۲)

سوال: حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی شفاعت کتنی طرح کی ہو گی؟

جواب: حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی شفاعت کئی طرح کی ہو گی مثلاً: {۱} شفاعتِ کبریٰ۔ {۲} بہتوں کو بلا حساب جنّت میں داخل فرمائیں گے جن میں سے چار اَرب نوّے کروڑ کی تعداد معلوم ہے اس سے بہت زائد اور بھی ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ و رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے علم میں ہیں۔ {۳} بہت سے وہ ہوں گے جو مستحق جہنم ہو چکے ہوں گے اُن کو جہنم سے بچائیں گے۔ {۴} بعضوں کی شفاعت فرما کر جَہنَّم

سے نکالیں گے۔ {۵} بعضوں کے دَرَجات بلند فرمائیں گے۔ {۶} بعض کا عذاب کم کروائیں گے۔ {۷} جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے اُنہیں بھی داخلِ جنت فرمائیں گے۔

(بہارِ شریعت، عقائد متعلقہ نبوّت، حصہ ۱، ج۱، ص ۷۰ وہمارا اسلام، شفاعت کا بیان، حصہ ۵، ص ۲۷۳)

اور حدیث میں آیا: "میری شفاعت میری امت کے اہلِ کبائر کے لئے ہے"۔

(منح الروض الازہر ص ۱۷۰)

سوال: شفاعتِ کبریٰ کیا ہے؟

جواب: حضورِ اقدس، نور مجسم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی وہ شفاعت جو تمام مخلوق مؤمن، کافر، فرمانبردار، نافرمان، موافق، مخالف، دوست اور دشمن سب کیلئے ہوگی وہ حساب کا انتظار جو انتہائی جاں گُزا ہو گا جس کے لئے لوگ تمنّائیں کریں گے کہ کاش ہم جَہنم میں پھینک دیئے جاتے اور اس انتظار سے نجات پاتے، اس بلا سے کفّار کو بھی چھٹکارا حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی بدولت ملے گا، جس پر تمام اوّلین وآخرین، موافقین ومخالفین، مؤمنین وکافرین سب حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی حمد کریں گے، اسی کا نام "مَقَامِ محمود" ہے اور یہ مرتبۂ شفاعتِ کبریٰ صرف حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ہی کا خاصہ ہے۔ (ہمارا اسلام، شفاعت کا بیان، حصہ ۵، ص ۲۷۴)

سوال: وہ شخص کیسا ہے جو شفاعت کا انکار کرے؟

جواب: چونکہ بے شمار آیات واحادیث اور اِجماعِ امّت سے شفاعت ثابت ہے، لہٰذا اس کا انکار وہی کرے گا جو گمراہ ہے یا یہ کہہ دینا کہ کوئی کسی کا وکیل وسفارشی نہیں

قرآن و حدیث کی صریح مخالفت ہے بلکہ خدا اور رسول عَزَّوَجَلَّ وصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ پر بہتان باندھنا اور نئی شریعت گھڑنا ہے۔

(ہمارا اسلام، شفاعت کا بیان، حصہ ۵، ص ۲۷۴ ملتقطا)

سوال: میزان کیا ہے؟

جواب: میزان ایک ترازو ہے، اور اس کا ہونا حق ہے۔ قیامت کے دن اس پر لوگوں کے اعمال نیک و بد تولے جائیں گے، نیکی کا پلّہ بھاری ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اوپر اُٹھے، دنیا کا سا معاملہ نہیں کہ جو بھاری ہوتا ہے نیچے کو جھکتا ہے۔ اس کا بیان پارہ ۸ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۸ اور ۹ میں موجود ہے چنانچہ:

وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

ترجمہ کنزالایمان: اور اس دن تول ضرور ہونی ہے تو جن کے پلے بھاری ہوئے وہی مراد کو پہنچے۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ(۹)

ترجمہ کنزالایمان: اور جن کے پلّے ہلکے ہوئے، تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جان گھاٹے میں ڈالی ان زیادتیوں کا بدلہ جو ہماری آیتوں پر کرتے تھے۔

صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی آیت نمبر ۸ کے تحت لکھتے ہیں: اس طرح کہ اللہ عزّوجلّ ایک میزان قائم فرمائے گا جس کا ہر ایک پلّہ اتنی وُسعت رکھے گا جیسی مشرق و مغرب کے درمیان وُسعت ہے۔ ابنِ جوزی نے کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت داوٗد علیہ الصلٰوۃ و السلام نے بارگاہِ الٰہی میں میزان دیکھنے کی درخواست کی جب

میزان دکھائی گئی اور آپ نے اس کے پلّوں کی وُسعت دیکھی تو عرض کیا یا ربّ کس کا مقدور ہے کہ ان کو نیکیوں سے بھر سکے ارشاد ہوا کہ اے داؤد میں جب اپنے بندوں سے راضی ہوتا ہوں تو ایک کھجور سے اس کو بھر دیتا ہوں یعنی تھوڑی نیکی بھی مقبول ہو جائے تو فضلِ الٰہی سے اتنی بڑھ جاتی ہے کہ میزان کو بھر دے۔

سوال: کیا قیامت کے دن بندوں کے اعمال کا حساب ہو گا؟

جواب: جی ہاں! قیامت کے دن بندوں کے اعمال کا حساب ہونا حق ہے، حساب کا منکر کافر ہے، اور اس کا بیان پارہ ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۳ میں ہوا:

وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىٕرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا۔

ترجمۂ کنزالایمان: اور ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگادی ہے، اور اس کے لئے قیامت کے دن ایک نَوِشتہ (تحریر) نکالیں گے جسے کھلا ہوا پائے گا۔

("منح الروض الأزهر" للقاري، فصل في المرض والموت والقيامة، ص۱۹۵:)

کسی سے تو اس طرح حساب لیا جائے گا کہ خُفیۃً اُس سے پوچھا جائے گا: تونے یہ کیا اور یہ کیا؟ اور کسی سے سختی کے ساتھ ایک ایک بات کی باز پرس ہو گی۔

اور جس کسی نے اس دنیوی زندگی میں دوسروں پر زیادتیاں کی ہوں گی اس ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دی جائیں گی، اور اگر ظالم کی نیکیاں نہ ہوں یا ختم ہو جانے کی صورت میں مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے، اور اس طرح اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

حضرت سیّدُنا سُلیمان طَبرانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی اپنے مجموعۂ حدیث، "طَبَرانی"

میں نَقْل کرتے ہیں: سرکارِ مدینۂ منوَّرہ، سردارِ مکّۂ مکرّمہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ نے فرمایا جس کا مفہوم ہے: ”ظالم کی نیکیاں مظلوم کو، مظلوم کے گناہ ظالم کو دلوائے جائیں گے۔(اَلْمُعْجَمُ الْکَبِیر ج۴ص۱۴۸حدیث ۳۹۶۹داراحیاء التراث العربی بیروت ملتقطاً)

سوال: کیا حوضِ کوثر کا وجود ہے؟ اور اس کے اوصاف کیا ہیں؟

جواب: حوضِ کوثر جو کہ نبی صلی اللہ تَعَالٰی علیہ وسلم کو مرحمت ہوا، حق ہے۔ اور اس کے اوصاف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)۔۔۔ اِس حوض کی مسافت ایک مہینہ کی راہ ہے۔(۲)۔۔۔ اس کے کناروں پر موتی کے قُبّے ہیں۔(۳)۔۔۔ چاروں گوشے برابر یعنی زاویۂ قائمہ ہیں۔(۴)۔۔۔ اس کی مٹی نہایت خوشبودار مشک کی ہے۔(۵)۔۔۔ اس کا پانی دُودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا۔(۶)۔۔۔ اور مشک سے زیادہ پاکیزہ۔(۷)۔۔۔ اور اس پر برتن ستاروں سے بھی گنتی میں زیادہ۔(۸)۔۔۔ جو اس کا پانی پیے گا کبھی پیاسا نہ ہو گا۔(۹)۔۔۔ اس میں جنت سے دو پر نالے ہر وقت گرتے ہیں، ایک سونے کا، دوسرا چاندی کا۔

اور اللہ تَعَالٰی پارہ ۳۰ سورۂ کوثر کی آیت نمبر ا میں ارشاد فرماتا ہے: اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ **ترجمۂ کنزالایمان:** اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔

اس آیت کے تحت صدر الافاضل حضرت نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں: اور فضائلِ کثیرہ عنایت کر کے تمام خَلق پر افضل کیا، حسنِ ظاہر بھی دیا، حسنِ باطن بھی، نسبِ عالی بھی، نبوّت بھی، کتاب بھی، حکمت بھی، علم بھی، شفاعت بھی، حوضِ کوثر بھی، مقامِ

محمود بھی، کثرتِ امّت بھی، اعدائے دِین پر غلبہ بھی، کثرتِ فتوحات بھی اور بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں جن کی نہایت نہیں۔

21: اَلْجَنَّةُ وَالنَّارُ لَا تَفْنِيَانِ:

وَ الْجَنَّةُ وَ النَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ الْيَوْمَ لَا تَفْنِيَانِ اَبَداً، وَ اللّٰهُ تَعَالیٰ یَهْدِی مَنْ یَّشَاءُ فَضْلاً مِّنْهُ وَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ عَدْلاً مِنْهُ، وَ اِضْلَالُهٗ خَذْلَانُهٗ، وَ تَفْسِیْرُ الْخَذْلَانِ اَنْ لَا یُوَفِّقَ الْعَبْدَ اِلیٰ مَا یَرْضَاهُ مِنْهُ، وَهُوَ عَدْلٌ مِنْهُ وَ کَذَا عُقُوْبَةُ الْمَخْذُوْلِ عَلَی الْمَعْصِیَةِ۔

ترجمه: جنت اور جہنم کی آگ اللہ تَعَالیٰ کی دو ایسی مخلوق ہیں جو آج بھی موجود ہیں، اور کبھی فنا نہیں ہوں گی، اور اللہ تَعَالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے ہدایت عطا فرماتا ہے، اور جسے چاہتا ہے اپنے عدل سے گمراہ کر دیتا ہے، اور اللہ تَعَالیٰ کا کسی کو گمراہ کرنے سے مراد اسے چھوڑ دینا ہے، اور چھوڑ دینے کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تَعَالیٰ بندے کو ایسے کام کرنے کی توفیق عطا نہیں فرماتا جن کے ذریعہ وہ اس سے راضی ہوتا ہے، اور ایسا کرنا اس کا عدل ہے، اور ایسے ہی چھوڑے ہوئے شخص کو گناہ کی بنا پر سزا دینا۔ (عین انصاف ہے)

سوال: "وَ الْجَنَّةُ وَ النَّارُ مَخْلُوْقَتَانِ الْیَوْمَ" سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جنت اور جہنم حق ہیں، ان کے ثبوت پر بے شمار آیات و احادیث دال ہیں، اور فلاسفہ نے ان کا انکار کیا ہے۔ اور اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک یہ دونوں پیدا کی جاچکی ہیں، جبکہ اکثر معتزلہ کا کہنا ہے کہ یہ دونوں ابھی پیدا نہیں ہوئیں بلکہ قیامت کے دن پیدا کی جائیں گی، لیکن ہماری دلیل قرآن کی وہ آیات

ہیں جن میں بصیغہ ٔماضی ان کو بیان کیا گیا ہے جیسے پارہ ا سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۲۴ میں ارشادِ باری تَعَالٰی ہے:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ۔

ترجمہ ٔکنزالایمان: پھر اگر نہ لا سکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہر گز نہ لا سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار رکھی ہے کافروں کے لئے۔

نیز سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۳۵ میں ارشاد ہوا:

وَقُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

ترجمہ ٔکنزالایمان: اور ہم نے فرمایا اے آدم تو اور تیری بی بی اس جنت میں رہو اور کھاؤ اس میں سے بے روک ٹوک جہاں تمہارا جی چاہے مگر اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے۔

سوال: جنت و جہنم کا انکار کرنا کیسا ہے؟

جواب: جنت و جہنم کا انکار کرنا کفر ہے، یونہی یہ کہنا کہ نہ دوزخ میں سانپ، بچھو اور زنجیریں ہیں، اور نہ وہ عذاب، جن کا ذکر مسلمانوں میں رائج ہے، نہ دوزخ کا کوئی وجود خارجی ہے بلکہ دنیا میں اللہ تَعَالٰی کی نافرمانی سے جو کلفت (تکلیف) روح کو ہوئی تھی بس اسی روحانی اذیت کا اعلیٰ درجہ پر محسوس ہونا اسی کا نام دوزخ اور جہنم ہیں یہ سب کفر قطعی ہے۔ یونہی یہ سمجھنا کہ نہ جنت میں میوے ہیں نہ باغ، نہ محل ہیں، نہ نہریں ہیں، نہ حوریں ہیں، نہ

غلمان ہیں، نہ جنت کا کوئی وجودِ خارجی ہے بلکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی جو راحت روح کو ہوئی تھی بس اسی روحانی راحت کا اعلیٰ درجہ پر حاصل، ہونا اسی کا نام جنت ہے۔ یہ بھی قطعًا کفر ہے۔ یونہی یہ کہنا کہ اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں جن فرشتوں کا ذکر فرمایاہے، نہ ان کا کوئی اصل وجود ہے، نہ ان کا موجود ہونا ممکن ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق میں جو مختلف قسم کی قوتیں رکھی ہیں جیسے پہاڑوں کی سختی، پانی کی روانی، نباتات کی فراوانی، بس انہیں قوتوں کانام فرشتہ ہے، انسان میں جو نیکی کرنے کی قوتیں ہیں بس وہی اس کے فرشتے ہیں یہ بھی بالقطع والیقین کفر ہے۔

یونہی جن وشیاطین کے وجود کا انکار اور بدی کی قوت کانام جن یا شیطان رکھنا کفر ہے اور ایسے اقوال کے قائل یقینا کافر اور اسلامی برادری سے خارج ہیں۔

(ماخوذ از اعتقاد الأحباب فی الجمیل، المعروف دس عقیدے، ص۷۷ تا ص۸۱، مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور)

سوال: کیا جنت و جہنم فنا ہو جائیں گے؟

جواب: نہیں! بلکہ جنت و جہنم دونوں باقی رہیں گی، کبھی فنا نہیں ہوں گی، اور نہ ہی ان میں رہنے والے کبھی فنا ہوں گے، کیونکہ قرآن پاک میں خالدین کے الفاظ کے ساتھ اہلِ ایمان کے جنت اور کفار کے جہنم میں خلود اور دائمی بقا کی خبر دی گئی ہے، نیز کتاب و سنت و اجماعِ امت سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ دونوں ہمیشہ باقی رہیں گی کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ جیسے کہ پارہ ۴ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۳۶ میں ارشاد ہوا:

أُولَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ۔

ترجمۂ کنزالایمان: ایسوں کا بدلہ اُن کے رب کی بخشش اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں اور کامیوں (نیک لوگوں) کا کیا اچھا نیگ (بدلہ) ہے۔

اور پارہ ۲ سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۱۶۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ۔

ترجمۂ کنزالایمان: ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو اور نہ انہیں مہلت دی جائے۔

سوال: ہدایت و گمراہی دینے والا کون ہے؟

جواب: اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، اپنے فضل و کرم سے اسے ایمان و طاعت کی طرف ہدایت عطا فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے عدل سے اسے کفر و معصیت کے ذریعہ گمراہ کر دیتا ہے، اور یہ عین عدل کے مطابق ہے۔

سوال: اللہ کا بندے کو گمراہ کرنے سے مراد کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا گمراہ کرنے سے مراد اس کو چھوڑ دینا ہے اور اس کی مدد نہ کرنا ہے، اور اسی بات کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو ایسے اعمال کی توفیق ہی نہیں دیتا جن اعمال سے وہ راضی ہوتا ہے، اور بندے کو چھوڑ دینا اور اس سے راضی نہ ہونا عین عدل ہے، کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اور اس کا بیان قرآنِ پاک کے پارہ ۸ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۱۲۵ میں موجود ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ‌ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ اَنۡ يُّضِلَّهٗ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ‌ ؕ كَذٰلِكَ يَجۡعَلُ اللّٰهُ الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ۔

ترجمہ کنزالایمان: اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے اللہ یونہی عذاب ڈالتا ہے ایمان نہ لانے والوں کو۔

اس آیت کی تفسیر میں صدر الافاضل حضرت نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں: کہ اس میں علم اور دلائلِ توحید و ایمان کی گنجائش نہ ہو تو اس کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ جب اس کو ایمان کی دعوت دی جاتی ہے اور اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اس پر نہایت شاق ہوتا ہے اور اس کو بہت دشوار معلوم ہوتا ہے۔

سوال: کیا اللہ کا بندے کو سزا دینا بھی عدل ہے؟

جواب: جی ہاں! یوں ہی اس سرگرداں، چھوڑے ہوئے شخص کو اس کے برے افعال و اعمال کے سبب، سزا دینا بھی عدل کے عین مطابق ہے، نہ کہ ظلم، بخلاف معتزلہ کے۔

وَلَا نَقُوْلُ :اِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْلُبُ الْاِيْمَانَ مِنْ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ قَهْراً وَ جَبْراً، وَ لٰكِنْ نَقُوْلُ:الْعَبْدُ يَدَعُ الْاِيْمَانَ، فَاِذَا تَرَكَهٗ فَحِيْنَئِذٍ يَسْلُبُهٗ مِنْهُ

الشَّیْطَانُ۔ وَسُوَالُ مُنْکَرٍ وَنَکِیْرٍ فِی الْقَبْرِ حَقٌّ، وَاِعَادَۃُ الرُّوْحِ اِلَی الْعَبْدِ فِی قَبْرِہٖ حَقٌّ۔

ترجمہ: اور ہم یہ نہیں کہتے کہ شیطان اللہ تَعَالٰی کے مؤمن بندے سے زبردستی ایمان چھین لیتا ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ بندہ ایمان خود ترک کر دیتا ہے، پس جب بندہ ایمان کو چھوڑ دیتا ہے تو اس وقت شیطان اس سے ایمان چھین لیتا ہے۔ اور قبر میں منکر نکیر کا سوال کرنا حق ہے، اور مردے کی قبر میں مردے کی جانب روح کا لوٹایا جانا حق ہے۔

سوال: کیا شیطان بندے سے زبردستی ایمان چھین لیتا ہے؟

جواب: نہیں ! اہلِ سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ شیطان اللہ تَعَالٰی کے ایماندار بندے سے زبردستی ایمان نہیں چھینتا، کیونکہ پارہ ۱۴ سورۂ حجر کی آیت نمبر ۴۲ میں اللہ تَعَالٰی کا فرمان ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ۔

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔

لیکن ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جب بندہ اپنے اختیار سے اپنے ایمان کو خود چھوڑ دیتا ہے، اور اپنے ایمان کی سلامتی کی فکر نہیں کرتا ہے، اور گناہوں میں مبتلا ہو کر ایمان کے نور سے محروم ہو جاتا ہے، تو شیطان اس سے ایمان کو اس کے ترک کے سبب چھین لیتا ہے، جیسے کہ پارہ ۱۴ سورۂ حجر کی آیت نمبر ۴۲ میں اللہ تَعَالٰی کا فرمان ہے:

اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ۔

ترجمۂ کنزالایمان: سوا ان گمراہوں کے جو تیرا ساتھ دیں۔

اور پارہ ۸ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۸ میں ارشاد ہوا:

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

ترجمۂ کنزالایمان: ضرور جو ان میں سے تیرے کہے پر چلا میں تم سب سے جہنم بھر دوں گا۔

سوال: کیا قبر میں سوالات ہوں گے؟ اور قبر سے مراد کیا ہے؟

جواب: قبر میں منکر نکیر کا مردے سے سوالات کرنا حق ہے، اور قبر سے مراد مردے کا ٹھکانا ہے، اب وہ ٹھکانا قبر ہو یا کوئی اور، حدیث میں آیا کہ: وہ تین سوال کریں گے۔ (۱) مَنْ رَبُّكَ (۲) مَا دِيْنُكَ (۳) مَنْ نَبِيُّكَ۔ پس جس نے دنیا میں ایمان والی زندگی گزاری وہ تو قبر میں ثابت قدم رہ کر جوابات دینے میں کامیاب ہو جائے گا، جیسے کہ پارہ ۱۳ سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۷ میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَآءُ۔

ترجمۂ کنزالایمان: اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہے کرے۔

اور جس نے گناہوں میں زندگی بسر کی ہو گی وہ جوابات میں لڑکھڑا جائے گا۔ الامان والحفیظ۔

سوال: قبر میں اعادۂ روح سے کیا مراد ہے؟

جواب: قبر میں اعادۂ روح سے مرادیا تو بعینہ روح کو جسم میں لوٹا دینا ہے، یا روح کا جسم کے ساتھ تعلق کو برقرار رکھنا ہے، اور دوسرا قول زیادہ درست ہے، جیسے کہ بہار شریعت جلد۔۱۔ص ۱۰۰ میں مذکور ہے:

مرنے کے بعد بھی روح کا تعلق بدنِ انسان کے ساتھ باقی رہتا ہے، اگرچہ روح بدن سے جُدا ہو گئی، مگر بدن پر جو گزرے گی رُوح ضرور اُس سے آگاہ و متأثر ہو گی، جس طرح حیاتِ دنیا میں ہوتی ہے، بلکہ اُس سے زائد۔ دنیا میں ٹھنڈا پانی، سرد ہَوا، نرم فرش، لذیذ کھانا، سب باتیں جسم پر وارِد ہوتی ہیں، مگر راحت و لذّت روح کو پہنچتی ہے اور ان کے عکس بھی جسم ہی پر وارِد ہوتے ہیں اور کُلفت و اذیّت روح پاتی ہے، اور روح کے لئے خاص اپنی راحت واَلم کے الگ اسباب ہیں، جن سے سرور یا غم پیدا ہوتا ہے، بعینہٖ یہی سب حالتیں برزخ میں ہیں۔("منح الروض الأزہر"، ص ۱۰۰۔۱۰۱)

اور عذابِ قبر و تنعیمِ قبر جسم و روح دونوں پر ہوتا ہے، جسم اگرچہ گل جائے، جل جائے، خاک ہو جائے، مگر اس کے اجزائے اصلیہ قیامت تک باقی رہیں گے، اور وہی موردِ عذاب و ثواب ہوں گے، اور وہ عجب الذنب ہے۔

سوال: روح دوسرے بدن میں چلی جاتی ہے، ایسا ماننا کیسا ہے؟

جواب: یہ خیال کہ وہ روح کسی دوسرے بدن میں چلی جاتی ہے، خواہ وہ آدمی کا بدن ہو یا کسی اور جانور کا جس کو تناسخ اور آواگون کہتے ہیں، محض باطل اور اُس کا ماننا کفر ہے۔("النبراس"، باب البعث حق، ص ۲۱۳)

سوال: کیا موت کے واقع ہونے سے روح مر جاتی ہے؟

جواب: موت کے معنی روح کا جسم سے جدا ہو جانا ہے، نہ یہ کہ روح مر جاتی ہے، جو روح کو فنا مانے، **بد مذہب** ہے۔("الفتاوی الرضویۃ"، ج۹، ص۶۵۷، ۷۴۳۔ ۷۴۴، ۸۴۳، ج۲۹، ص۱۰۳)

22: عَذَابُ الْقَبْرِ:

وَ ضَغْطَةُ الْقَبْرِ حَقٌّ، وَ عَذَابُهٗ حَقٌّ كَائِنٌ لِلْكُفَّارِ كُلِّهِمْ وَ لِبَعْضِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَ كُلُّ مَا ذَكَرَهُ الْعُلَمَاءُ بِالْفَارِسِيَّةِ مِنْ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَزَّتْ اَسْمَآؤُهٗ وَ تَعَالَتْ صِفَاتُهٗ فَجَائِزٌ، اَلْقَوْلُ بِهٖ سِوَى الْيَدِ بِالْفَارِسِيَّةِ، وَ يَجُوْزُ اَنْ يُّقَالَ :بَرُوْيِ خُدَا، بِلَا تَشْبِيْهٍ وَ لَا كَيْفِيَّةٍ۔

ترجمہ: اور قبر کا مردے کو دبانا حق ہے، اور قبر کا عذاب حق ہے، تمام کفار اور بعض مسلمانوں کو (عذاب) ہوتا ہے۔ اور اللہ کی وہ تمام صفات جن کا ذکر علما نے فارسی زبان میں کیا ہے، اللہ کے اسماء عزت والے اور اس کی صفات بلند تر ہیں، ان کے ذریعہ گفتگو کرنا جائز ہے، سوائے فارسی میں ہاتھ کے، اور اللہ کے روئے مبارک کی قسم، بغیر کسی تشبیہ اور کیفیت کے کہنا جائز ہے۔

سوال: کیا قبر مردے کو دباتی ہے؟

جواب: جب مردہ کو قبر میں دفن کرتے ہیں، اُس وقت اُس کو قبر دباتی ہے۔ اگر وہ مسلمان ہے تو اُس کا دبانا ایسا ہوتا ہے کہ جیسے ماں پیار میں اپنے بچّے کو زور سے چپٹا لیتی ہے، اور اگر کافر ہے تو اُس کو اِس زور سے دباتی ہے کہ اِدھر کی پسلیاں اُدھر اور اُدھر کی اِدھر ہو جاتی ہیں۔ ("المسند" لِلإمام أحمد بن حنبل، الحديث: ۲۷۴۳۱۲، ج۴، ص ۲۵۳)

سوال: کیامر دے کو قبر میں عذاب ہو تا ہے؟

جواب:جی ہاں ! عذابِ قبر حق ہے، اور یہ عذاب کفار میں سے سب کو اور عُصاۃ(گنہگار مؤمن) میں بعض پر عذاب بھی ہو گا ان کی معصیت کے لائق، پھر اُس کے پیرانِ عظام یا مذہب کے امام یا اور اولیائے کرام کی شفاعت یا محض رحمت سے جب وہ چاہے گا، نجات پائیں گے، اور بعض نے کہا کہ مؤمن عاصی پر عذابِ قبر شبِ جمعہ آنے تک ہے، اس کے آتے ہی اٹھالیا جائے گا، واللہ تَعَالٰی اعلم۔("منح الروض الأزہر شرح فقہ الأکبر"، ص۱۰۲)

ہاں! یہ حدیث سے ثابت ہے کہ جو مسلمان شبِ جمعہ یا روزِ جمعہ یا رمضان مبارک کے کسی دن رات میں مرے گا، سوالِ نکیرین وعذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔

("المسند" لِلإمام أحمد بن حنبل، الحدیث:۷۰۷۰، ج۲، ص۶۸۴.)

سوال: ''وَ کُلُّ مَا ذَکَرَهُ الْعُلَمَاءُ بِالْفَارِسِیَّةِ مِنْ صِفَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰی ''اس عبارت سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب:اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علمانے فارسی زبان میں جو اللہ تَعَالٰی کی صفاتِ متشابہ جیسے چہرہ، قدم، آنکھ وغیرہ کا ذکر کیا ہے، تو ان کے ذریعہ گفتگو کرنا جائز ہے، اور یہ بھی ذہن میں ہو کہ اللہ تَعَالٰی کے اسماء اَفہام پر غالب، اور اس کی صفات اَوہام سے مرتفع ہیں، ہاں لفظِ ید کو فارسی زبان میں استعمال نہیں کیا جائے گا، کہ لفظِ ید کو فارسی زبان میں تعبیر کرنا جائز نہیں ہے۔("منح الروض الأزہر شرح فقہ الأکبر"، ص۱۸۸)

سوال: فارسی زبان میں بروئے خدا (اللہ کے چہرے کی قسم) کہنا کیسا ہے؟

جواب: فارسی میں بروئے خدا یعنی اللہ کے چہرۂ مبارک کی قسم کہنا جائز ہے، مگر اس کی کسی چیز سے تشبیہ نہیں دے سکتے، اور نہ ہی کیفیت بیان کی جائے گی، کہ تشبیہ و کیفیت بیان کرنا ممنوع ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ثابت ہو گا جو کہ کفر ہے۔

23: مَعْنَی الْقُرْبِ وَ الْبُعْدِ:

وَ لَیْسَ قُرْبُ اللّٰہِ تَعَالیٰ وَ لَا بُعْدُہٗ مِنْ طَرِیْقِ طُوْلِ الْمَسَافَۃِ وَ قَصْرِھَا ،وَلَا عَلیٰ مَعْنَی الْکَرَامَۃِ وَ الْھَوَانِ، وَ لٰکِنَّ الْمُطِیْعَ قَرِیْبٌ مِّنْہُ بِلَا کَیْفٍ، وَ الْعَاصِیْ بَعِیْدٌ عَنْہُ بِلَا کَیْفٍ، وَ الْقُرْبُ وَ الْبُعْدُ وَ الْاِقْبَالُ یَقَعُ عَلَی الْمُنَاجِیْ، وَکَذٰلِکَ جِوَارُہٗ فِی الْجَنَّۃِ وَ الْوُقُوْفُ بَیْنَ یَدَیْہِ بِلَا کَیْفٍ۔

ترجمہ: اور اللہ تَعَالیٰ کے قریب ہونے اور دور ہونے سے فاصلوں کی دوری یا نزدیکی مراد نہیں ہے، اور نہ ہی عزت و اہانت کے معنی کے طور پر (مراد) ہے، اور لیکن اطاعت گزار اللہ تَعَالیٰ سے قریب ہوتا ہے، (مگر ہمیں اس کی) کیفیت معلوم نہیں، اور گنہگار اللہ تَعَالیٰ سے دور ہوتا ہے ،(مگر ہمیں اس کی) کیفیت معلوم نہیں، اور قریب ہونا اور دور ہونا اور متوجہ ہونا (جیسے امور کا اعتبار اللہ کے حضور) مناجات کرنے والے بندے کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور ایسے ہی جنت میں اللہ کے جوار (پڑوس میں) ہونا، اور اللہ کے حضور کھڑے ہونے سے بھی یہی مراد ہے، مگر ہم ان کی کیفیت نہیں جانتے۔

سوال: اللہ تَعَالیٰ کا بندوں سے قریب و بعید ہونے سے مراد کیا ہے؟

جواب: اللہ تَعَالیٰ کا اربابِ طاعت سے قریب ہونا اور اصحابِ معصیت سے دور ہونا جیسے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تَعَالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تَعَالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا کہ سخی اللہ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، لوگوں سے قریب

ہے، لیکن جہنم سے دور ہے اور بخیل اللہ عزوجل سے دور ہے، جنت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، لیکن جہنم سے قریب ہے اور سخی جاہل، بخیل عابد سے اللہ تَعَالٰی کو زیادہ پسند ہے۔

(سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی السخاء، الحدیث:۱۹۶۸، ج۳، ص۳۸۷)

پس اس قرب و بعد سے مراد لفظی قرب و بعد نہیں ہے، اور نہ ہی حسی قرب و بعد ہے، کہ ان کے لئے ایک حد ہے اور اللہ تَعَالٰی کی کوئی حد نہیں، بلکہ مراد معنوی قرب و بعد ہے جیسے کہ پارہ۸ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۵۶ میں ارشاد ہوا:

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔

ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے۔

اور امامِ اعظم رضی اللہ عنہ نے قرب اللہ اور بعد اللہ کو متشابہ کے باب سے بتایا ہے، اسی لئے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نہ ہی قرب کا معنی کرامت و احسان، اور بعد کا معنی ذلت و خواری ہے، نیز اسی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ: فرمانبردار اللہ تَعَالٰی سے قریب ہے، لیکن ہمیں اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے، اور گنہگار اللہ سے دور ہے لیکن اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے۔

سوال: "وَ الْقُرْبُ وَ الْبُعْدُ وَ الْاِقْبَالُ یَقَعُ عَلَی الْمُنَاجِیْ" اس عبارت سے کیا بتانا چاہتے ہیں؟

جواب: اللہ تَعَالٰی کی قربت و دوری اور توجہ و اعراض کے حوالے سے فاصلوں اور جہات کا تعلق خود اللہ تَعَالٰی کی ذات سے نہیں بلکہ اس کا تعلق بندوں سے ہے، اور ایسے ہی

جنت میں اللہ تَعَالٰی کے جوار میں رہنے، اور قیامت کے دن اللہ کے حضور کھڑے ہونے کا تعلق بھی بندوں سے ہے، نہ کہ اللہ تَعَالٰی سے۔

24: اَلْقَوْلُ فِی تَفَاضُلِ آیَاتِ الْقُرْآنِ:

وَ الْقُرْآنُ مُنَزَّلٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ، وَ ھُوَ فِی الْمُصْحَفِ مَکْتُوْبٌ،وَ آیَاتُ الْقُرْآنِ کُلُّھَا فِی مَعْنَی الْکَلَامِ مُسْتَوِیَۃٌ فِی الْفَضِیْلَۃِ وَ الْعَظَمَۃِ اِلَّا اَنَّ لِبَعْضِھَا فَضِیْلَۃَ الذِّکْرِ وَ فَضِیْلَۃَ الْمَذْکُوْرِ، مِثْلُ آیَۃِ الْکُرْسِیِّ، لِاَنَّ الْمَذْکُوْرَ فِیْھَا جَلَالُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ عَظَمَتُہٗ وَ صِفَتُہٗ، فَاجْتَمَعَتْ فِیْھَا فَضِیْلَتَانِ فَضِیْلَۃُ الذِّکْرِ وَ فَضِیْلَۃُ الْمَذْکُوْرِ، وَ فِی صِفَۃِ الْکُفَّارِ فَضِیْلَۃُ الذِّکْرِ فَحَسْبُ، وَ لَیْسَ فِی الْمَذْکُوْرِ وَ ھُمُ الْکُفَّارُ فَضِیْلَۃٌ،وَ کَذٰلِکَ الْاَسْمَاءُ وَ الصِّفَاتُ کُلُّھَا مُسْتَوِیَۃٌ فِی الْفَضِیْلَۃِ وَ الْعَظَمَۃِ لَا تَفَاوُتَ بَیْنَھُمَا۔ وَ اَبُوْ طَالِبٍ عَمُّہٗ مَاتَ کَافِراً۔

ترجمہ: اور قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہوا ہے، اور وہ مصحف میں لکھا ہوا ہے، اور قرآن پاک کی تمام آیات کلام اللہ ہونے کی بنا پر فضیلت و عظمت میں برابر ہیں، مگر بعض آیات کے لئے ذکر کی فضیلت اور مذکور کی فضیلت ہے، جیسے کہ آیۃ الکرسی، اس لئے کہ اس میں اللہ کا جلال، اس کی عظمت اور اس کی صفت مذکور ہے، پس آیۃ الکرسی میں دو فضیلتیں جمع ہو گئیں، ایک ذکر کی فضیلت، اور دوسری مذکور کی فضیلت، (جبکہ بعض وہ آیات) جن میں کفار کا بیان ہے (ان میں) صرف ذکر (کلام اللہ ہونے) کی فضیلت ہے، اور مذکور جو کہ کفار ہیں ان میں کوئی فضیلت نہیں، اور ایسے ہی اللہ تَعَالٰی کے تمام نام اور صفات

فضیلت و عظمت میں برابر ہیں، ان کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کفر کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

سوال: کیا قرآن کی تمام آیات فضیلت میں برابر ہیں؟

جواب: قرآن مجید جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ۲۳ سال کے عرصے میں نازل ہوا، اور جو مصحف میں لکھا ہوا ہے، اس کی تمام آیات کلام اللہ ہونے کے اعتبار سے فضیلت لفظیہ اور عظمت معنویہ میں برابر ہیں، چاہے وہ آیات رحمت الٰہی، مدح اولیاء، غضب الٰہی، مذمت اعداء یا احکام پر دلالت کریں۔

مگر بعض آیات میں باعتبار مبنی ذکر کی فضیلت اور باعتبار معنی مذکور کی فضیلت ہے، جیسے کہ آیۃ الکرسی، کہ اس میں اللہ کی ہیبت و جلالت اور اس کی ذات کی خاص صفات کا بیان ہے، پس ایک تو کلام اللہ ہونے اور دوسرے اس کی صفات کا بیان ہونے کے اعتبار سے دو فضیلتیں ہیں۔

اور رہیں وہ آیات جن میں کفار و فجار کے احوال مذکور ہیں، تو ان میں صرف ایک ہی فضیلت ہے اور وہ کلام اللہ ہونے کی ہے، اور مذکور کے اعتبار سے کوئی فضیلت نہیں کیونکہ کفار و فجار جن کا ذکر ہوا ہے ان میں کوئی فضیلت و عظمت نہیں، جیسے کہ پارہ ۳۰ میں موجود سورہ لہب وغیرہ۔

سوال: کیا اللہ تعَالیٰ کے اسماء کے مابین فرق ہے؟

جواب: اور ایسے ہی اللہ تعَالیٰ کے نام جیسے احد، صمد، مالک، واحد، فرد اور اس کی صفات جیسے لہ الملک، لہ الحمد، لہ الکبریاء، لہ المجد، تمام کے تمام باعتبار مَبنی فضیلت میں اور باعتبار معنی عظمت میں برابر ہیں، ان کے مابین کوئی فرق نہیں۔

سوال: ایمان ابو طالب کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب: ایمان ابو طالب کے متعلق بڑی بحثیں کی جاتی ہیں، مگر امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو کافر قرار دیا ہے، اور اعلی حضرت نے بھی اس بات کو دلائل سے ثابت فرمایا ہے، چنانچہ فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ ص ۱۴۴ میں نقل فرماتے ہیں:

”جس سے اقرار اسلام کا مطالبہ کیا جائے اور وہ اقرار نہ کرنے پر اصرار رکھے تو وہ بالاتفاق کافر ہے، کہ یہ دل میں تصدیق نہ ہونے کی علامت ہے، اسی واسطے تمام علماء نے کفر ابی طالب پر اجماع کیا ہے“۔

اور ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح میں فرمایا: اہل سنت کے نزدیک ابو طالب مسلمان نہیں۔ مزید اس کی تفصیل فتاویٰ رضویہ جلد ۲۹ میں ملاحظہ فرمائیں۔

صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب!
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّم

25: اَبْنَاءُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم وَ بَنَاتِهٖ:

وَ قَاسِمٌ وَ طَاهِرٌ وَ اِبْرَاهِیْمُ کَانُوْا بَنِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم وَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ وَ فَاطِمَةُ وَ زَیْنَبُ وَ رُقَیَّةُ وَ اُمُّ کُلْثُوْم کُنَّ جَمِیْعاً بَنَاتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم وَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُنَّ۔

ترجمہ: اور قاسم وطاہر وابراہیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں، اور فاطمہ و رقیہ وزینب وام کلثوم سب کی سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ہیں۔

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے شہزادے ہیں؟ اور ان کے نام کیا ہیں؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے ہیں۔(۱) حضرت قاسم۔(۲) حضرت عبد اللہ جن کا لقب طیب وطاہر ہے، یہ دونوں شہزادے حضرت خدیجۃُ الکبریٰ سے ہیں۔(۳) حضرت ابراہیم، ان کی والدہ حضرت ماریہ خاتون ہیں۔

سوال: رسول اللہ ﷺ کی کتنی صاحبزادیاں ہیں؟ اور ان کے نام کیا ہیں؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ہیں، اور چاروں حضرت خدیجۃُ الکبریٰ سے ہیں،(۱) حضرت زینب، جو حضرت قاسم سے چھوٹی اور باقی سب اولاد سے بڑی ہیں، ان کا نکاح مکہ ہی میں ابو العاص بن الربیع سے ہوا تھا جنہوں نے جنگ بدر کے بعد اسلام قبول کیا۔(۲) حضرت رقیہ، یہ حضرت زینب سے چھوٹی ہیں، (۳) حضرت ام کلثوم، یہ حضرت رقیہ سے چھوٹی ہیں، ان دونوں کا نکاح یک بعد دیگرے حضرت عثمان غنی

سے ہوا۔ (۴) حضرت فاطمہ، یہ حضرت ام کلثوم سے چھوٹی ہیں، ان کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ سے ہوا۔

26: دَقَائِقُ عِلْمِ التَّوْحِيْدِ:

وَاِذَا اُشْكِلَ عَلَى الْاِنْسَانِ شَيْئٌ مِنْ دَقَائِقِ عِلْمِ التَّوْحِيْدِ فَاِنَّهٗ يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ يَّعْتَقِدَ فِي الْحَالِ مَا هُوَ الصَّوَابُ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى اِلٰى اَنْ يَّجِدَ عَالِماً فَيَسْئَلُهٗ وَلَا يَسَعُهٗ تَاخِيْرُ الطَّلَبِ وَلَا يُعْذَرُ بِالْوَقْفِ فِيْهِ، وَيَكْفُرُ اِنْ وَقَفَ۔ وَخَبْرُ الْمِعْرَاجِ حَقٌّ، فَمَنْ رَدَّهٗ فَهُوَ ضَالٌّ مُبْتَدِعٌ۔

ترجمہ: اور جب انسان پر توحید کے علم کی باریکیوں میں سے کسی بات کا (سمجھنا) مشکل ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ فوری طور پر یہ عقیدہ رکھے کہ جو درست ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، یہاں تک کہ وہ کسی عالم کو پائے جس سے وہ (درست تفصیلات) دریافت کرلے، (لیکن اس سلسلے میں) طلب کی تاخیر کرنے میں کوئی گنجائش نہیں ہے، اور نہ ہی اس میں توقف کرنے میں معذور رکھا جائے گا، (بلکہ) اگر توقف کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ اور معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر حق ہے اور جو اس کا رد (انکار) کرے تو وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔

سوال: عقائد میں شک و توقف کا کیا حکم ہے؟

جواب: اعمال کے سلسلے میں کوتاہی کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور اس سے در گزر کا معاملہ ہو سکتا ہے، لیکن عقیدے کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی کوتاہی اور غفلت ناقابل معافی ہے، اس لئے کہ تمام اعمال کا دارومدار عقیدے پر ہی ہوتا ہے۔

اسی لئے امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللّٰہ تَعَالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی اہل ایمان پر علم توحید کی باریکیوں میں سے کوئی چیز دشوار ہو جائے تو اس پر واجب ہے کہ فوری طور پر اس کی صحیح اور درست تفصیلات خدا کے سپرد کرتے ہوئے اجمالی طور پر ایمان لے آئے، یہاں تک کہ اسے احوال کی حقیقت کو جاننے والا مل جائے، جس سے وہ درست معلومات و تفصیلات علی وجہ الکمال جان لے، اور اللّٰہ تَعَالیٰ کی صفات جلال یا صفات جمال میں سے کسی صفت کے متعلق تردد کے وقت توقف کرنے میں اسے معذور نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اگر توقف کیا تو کفر ہو جائے گا، کیونکہ توقف موجب شک ہے اور ایمان میں شک کفر ہے۔ مثلاً کسی کے سامنے کلام اللہ کے مخلوق یا قدیم ہونے کا مسئلہ آیا اور اس نے کہا کہ میں نہیں کہتا کہ قرآن مخلوق ہے یا قدیم۔

سوال: معراج کیا ہے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے معراج ہے، کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے ساتوں آسمان اور کرسی و عرش تک، بلکہ بالائے عرش رات کے ایک خفیف سے حصے میں مع جسم تشریف لے گئے، اور وہ قرب خاص حاصل ہوا کہ کسی بشر و ملک کو کبھی نہ حاصل ہوا نہ ہو، اور جمال الٰہی بچشمِ سر دیکھا اور کلام الٰہی بلاواسطہ سنا، اور تمام ملکوت السماوات و الارض کو بالتفصیل ذرہ ذرہ ملاحظہ فرمایا، یہ تمام کا تمام بیان احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے۔ پس اسی سیر کا نام معراج النبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے۔(بہار شریعت جلد ۱ ص ۶۷۔۶۸)

سوال: معراج کا انکار کرنا کیسا ہے؟

جواب: معراج کے کئی حصے ہیں، پس جس نے اسراء یعنی مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کا انکار کیا تو وہ کافر ہو جائے گا کہ وہ نص قرآنی سے صراحتاً ثابت ہے۔ اور جس نے معراج یعنی بیت المقدس سے لا مکاں تک کا انکار کیا تو وہ کافر نہیں، مگر گمراہ اور بدعتی ضرور ہے، کہ اس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے۔

27: اَشْرَاطُ السَّاعَةِ:

وَ خُرُوْجُ الدَّجَّالِ وَ يَأْجُوْجَ وَ مَأْجُوْجَ وَ طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَ نُزُوْلُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ وَ سَائِرُ عَلَامَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ عَلٰى مَا وَرَدَتْ بِهِ الْاَخْبَارُ الصَّحِيْحَةُ حَقٌّ كَائِنٌ، وَ اللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

ترجمہ: اور دجال کا نکلنا اور یاجوج و ماجوج کا نکلنا اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، اور عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا، اور دیگر تمام علامات قیامت جن کے بارے میں صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں سب کے سب حق اور ہونے والی ہیں، اور اللہ تعَالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت عطا فرماتا ہے۔

سوال: قیامت کسے کہتے ہیں؟

جواب: جیسے ہر چیز کی ایک عُمر مُقرَّر ہے اس کے پورے ہونے کے بعد وہ چیز فنا ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی دنیا کی بھی ایک عُمر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے عِلم میں مُقرَّر ہے۔ اس کے پورا ہونے کے بعد دنیا فنا ہو جائے گی۔ زمین و آسمان، آدمی، جانور کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔ اس کو ''قیامت'' کہتے ہیں جیسے آدمی کے مرنے سے پہلے بیماری کی شدّت، جان نکلنے کی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ ایسے ہی قیامت سے پہلے اس کی نشانیاں ہیں۔

سوال: علاماتِ قِیامت سے کیا مراد ہے اور وہ کیا ہیں؟

جواب: قِیامت سے پہلے چند نشانیاں ظاہر ہوں گی انہیں علاماتِ قِیامت یا آثارِ قیامت کہتے ہیں علاماتِ قیامت کی دو قسمیں ہیں:

{۱} وہ نشانیاں جو حضورِ اَقدس صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی وِلادت مبارکہ سے لے کر اب تک واقع ہو چکی ہیں اور حضرتِ سیِّدنا امام مہدی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ظہور تک وقوع میں آتی رہیں گی، انہیں علامات صغریٰ کہتے ہیں۔

{۲} وہ نشانیاں جو حضرت سیِّدنا امام مہدی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ظہور کے بعد صُور پھونکنے تک واقع ہوں گی، یہ علامات یکے بعد دیگرے، پے دَر پے اس طرح ظاہر ہوں گی جیسے سلکِ مَروَارِید سے موتی گرتے ہیں۔ ان کے ختم ہوتے ہی قِیامت برپا ہو گی، انہیں علاماتِ کُبریٰ کہتے ہیں۔ (ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۸۲)

سوال: علاماتِ صغریٰ کیا کیا ہیں؟

جواب: علاماتِ صغریٰ بہت سی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: {۱} سرکارِ دو عالم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا دنیا سے پردہ فرمانا {۲} تمام صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم کا دنیا سے پردہ فرمانا {۳} تین خَسف کا واقع ہونا یعنی آدمی زمین میں دھنس جائیں گے، ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرۂ عرب میں {۴} علم اٹھ جائے گا یعنی علماء اٹھالئے جائیں گے اور لوگ جاہلوں کو اپنا امام و پیشوا بنائیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے {۵} زِنا، شراب نوشی و بدکاری اور بے حیائی کی زیادتی ہو گی

{۶} مرد کم ہوں گے اور عورتیں زیادہ ہوں گی یہاں تک کہ ایک مرد کی سرپرستی میں پچاس عورتیں ہوں گی {۷} بڑے دجال کے علاوہ تیس دجال اور ہوں گے، وہ سب نُبُوَّت کا جھوٹا دعویٰ کریں گے {۸} مال کی کثرت ہو گی، زمین اپنے خزانے اُگل دے گی {۹} دِین پر قائم رہنا ایسا دشوار ہو گا جیسے مُٹھی میں انگارہ لینا {۱۰} وقت میں بَرَکت نہ ہو گی یعنی جلدی جلدی گزرے گا {۱۱} زکوٰۃ دینے کو لوگ تاوان سمجھیں گے {۱۲} علمِ دِین پڑھیں گے مگر دِین کی خاطر نہیں بلکہ دنیا کمانے کیلئے {۱۳} عورتیں مردانی وَضع اِختیار کریں گی اور مرد زَنانی وَضع {۱۴} گانے باجے کی کثرت ہو گی {۱۵} ملاقات کے وقت سلام کے بجائے لوگ گالی گلوچ سے پیش آئیں گے {۱۶} مسجد کے اندر شور وغُل اور دنیا کی باتیں ہوں گی {۱۷} لوگ نماز کے شرائط وارکان کالحاظ کئے بغیر نمازیں پڑھیں گے یہاں تک کہ پچاس میں سے ایک نماز بھی قبول نہ ہو گی۔ (ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۸۲)

سوال: قِیامت کی علاماتِ کبریٰ کیا کیا ہیں؟

جواب: علاماتِ کبریٰ یہ ہیں: {۱} دجال کا ظاہر ہونا {۲} حضرتِ سیِّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا آسمان سے نُزُول فرمانا {۳} حضرتِ سیِّدنا امام مہدی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ظاہر ہونا {۴} یاجوج وماجوج کا نکلنا {۵} دُھویں کا پیدا ہونا {۶} دَابَّۃُ الْاَرْض کا نکلنا {۷} سورج کا مغرب سے نکلنا {۸} حضرتِ سیِّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام کا دنیا سے پردہ فرمانا وغیرہ۔

(ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۸۳)

سوال: دجَّال کون ہے اور یہ کب اور کیسے ظاہر ہو گا؟

جواب: دَجَّال قومِ یہود کا ایک مرد ہے جو اس وقت بحکمِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ دریائے طبرستان کے جزائر میں قید ہے یہ آزاد ہو کر ایک پہاڑ پر آئے گا وہاں بیٹھ کر آواز لگائے گا، دوسری آواز پر وہ لوگ جمع ہو جائیں گے جنہیں بد بخت ہونا ہے، پھر یہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ملکِ خدا عَزَّوَجَلَّ میں فتور پیدا کرنے کیلئے شام و عراق کے درمیان سے نکلے گا اس کی ایک آنکھ اور ایک اَبرو بالکل نہ ہو گی اسی وجہ سے اِسے مسیح (کانا) کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہود کی فوجیں ہوں گی، وہ ایک بڑے گدھے پر سوار ہو گا اور اس کی پیشانی پر ''ک اف ر'' یعنی کافر لکھا ہو گا جسے ہر مسلمان پڑھے گا البتہ کافِر کو نظر نہ آئے گا، اس کا فتنہ بہت شدید ہو گا، چالیس دن رہے گا جن میں سے پہلا دن سال بھر کے برابر ہو گا، دوسرا ایک مہینہ بھر کے برابر ہو گا، تیسرا ایک ہفتے کے برابر اور بقیہ عام دنوں جیسے ہوں گے۔ وہ بہت تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچے گا جیسے بادل، جسے ہوا اڑاتی ہو، وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ اس کے ساتھ ایک باغ اور ایک آگ ہو گی جن کا نام جنَّت و دوزخ رکھے گا، مگر وہ جو دیکھنے میں جنّت معلوم ہو گی حقیقۃً وہ آگ ہو گی اور جو جہنم دکھائی دے گی وہ مقامِ راحت ہو گا۔ جو اُس پر ایمان لے آئیں گے اُن کیلئے بادل کو حکم دے گا تو وہ برسنے لگے گا اور زمین کو حکم دے گا تو کھیتی اُگ آئے گی، جو اُسے نہ مانیں گے ان کے پاس سے چلا جائے گا تو وہ قَحط میں مبتلا ہو جائیں گے اور تہی دَست رہ جائیں گے، ویرانے میں جائے گا تو وہاں کے دفینے شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے ہمراہ ہولیں گے۔

الغرض! اِس قسم کے بہت سے شعبدے دکھائے گا، حقیقت میں یہ سب جادُو

ہو گا، اس لئے اس کے وہاں سے جاتے ہی لوگوں کے پاس کچھ نہ رہے گا، ایسے وقت میں مسلمان ذکرِ خدا عَزَّوَجَلَّ کریں گے جس سے ان کی بھوک وپیاس ختم ہو جائے گی، چالیس دن میں تمام زمین کا گشت کرے گا مگر مکۂ معظمہ و مدینۂ منورہ میں جب بھی داخل ہونا چاہے گا فرشتے اس کا منہ پھیر دیں گے، پھر جب وہ ساری دنیا میں گھوم پھر کر ملکِ شام پہنچے گا تو اس وقت حضرتِ سیِّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام نزول فرمائیں گے۔

(ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۸۴)

سوال: حضرتِ سیِّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کب اور کہاں نُزُول فرمائیں گے ؟

جواب: جب دَجَّال کا فتنہ اپنی اِنتہا کو پہنچ چکے گا اور یہ ملعون تمام دنیا میں پِھر کر ملکِ شام میں پہنچے گا جہاں تمام اَہل عرب سِمٹ کر جمع ہو چکے ہوں گے، یہ خبیث ان سب کا محاصرہ کرلے گا، ان میں بائیس ہزار جنگجو مرد اور ایک لاکھ عورتیں ہوں گی، اسی حالت میں قلعہ بند مسلمانوں کو اچانک غیب سے آواز آئے گی کہ گھبراؤ نہیں فریادرَس آ پہنچا۔ اس وقت حضرتِ سیِّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام آسمان سے دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے زَردْ رنگ کا جوڑا زَیبِ تن کئے ہوئے نہایت نورانی صورت میں دِمَشق کی جامع مسجد کے شرقی منارے پر دین محمدی صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے حاکم اور امامِ عادل ومجدِدِ ملّت ہو کر نُزُول فرمائیں گے۔ وہ صبح کا وقت ہو گا، نمازِ فجر کیلئے اقامت ہو چکی ہو گی، حضرتِ سیِّدنا امام مہدی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ عَلَیْہِ السَّلَام سے اِمامت کی درخواست کریں گے، حضرتِ سیدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام حضرتِ سیِّدنا امام مہدی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی پشت پر

ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے: آگے بڑھو نماز پڑھاؤ کہ تکبیر تمہارے ہی لئے ہوئی ہے۔ حضور تاجدارِ عرب وعجم، سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا فرمانِ مُکرَّم ہے: ''تمہارا حال کیسا ہو گا جب تم میں ابن مریم عَلَیْہِ السَّلَام نزول فرمائیں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہو گا۔''

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکماً شریعۃ نبینا محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، الحدیث:۲۴۶،۲۴۵، ص۹۲)

یعنی تمہاری اس وقت کی خوشی اور فخر بیان سے باہر ہے کہ رُوح اللہ عَلَیْہِ السَّلَام نبی و رسول ہونے کے باوجود تم پر اُتریں، تم میں رہیں، تمہارے معین و یاوَر بنیں اور تمہارے امام کے پیچھے نماز پڑھیں۔ (ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۸۵)

سوال: حضرتِ سیّدنا امام مہدی کون ہیں؟

جواب: حضرتِ سیّدنا امام مہدی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بارہ اِماموں رَضْوَانُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن میں سب سے آخری امام اور خلیفۃ اللہ ہیں، آپ کا اسمِ گرامی ''محمد'' والد صاحب کا نام ''عبد اللہ'' اور والدہ صاحبہ کا نام ''آمنہ'' ہو گا، آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نسبتاً سَیِّد، حَسَنی، حضرتِ سیِّدَتنا بی بی فاطمہ زہراء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی اَولاد سے ہوں گے اور مادری رشتوں میں حضرتِ سیّدنا عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا کچھ تعلُّق ہو گا۔ چالیس سال کی عمر میں آپ کا ظہور ہو گا، آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خلافت سات یا آٹھ یا نو سال ہو گی۔ اس کے بعد آپ کا وِصال ہو جائے گا۔ حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی نمازِ جنازہ پڑھائیں گے۔ چنانچہ

رِوایات میں ہے کہ جب تمام علاماتِ صغریٰ واقع ہو چکیں گی،تو اس وقت نصاریٰ (عیسائیوں) کا غلبہ ہو گا، رُوم و شام اور تمام ممالکِ اسلام، حَرَمین شریفین کے علاوہ سب مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ تمام زمین فتنہ و فساد سے بھر جائے گی، اس وقت اَبدال بلکہ تمام اَولیاءُاللہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم سب جگہ سے سمٹ کر حَرَمین شریفین کو ہجرت کر جائیں گے اور ساری زمین کفرستان ہو جائے گی رمضان شریف کا مہینہ ہو گا، اَبدال طوافِ کعبہ میں مصروف ہوں گے اور حضرتِ سیّدنا امام مہدی بھی جن کی عمر مبارک اس وقت چالیس سال ہو گی وہاں ہوں گے ۔ اَولیائے کرام رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم انہیں پہچان کر درخواستِ بیعت کریں گے، آپ انکار فرمائیں گے، دفعۃً غیب سے ایک آواز آئے گی "هٰذَا خَلِيْفَةُ اللهِ الْمَهْدِيُّ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْهُ" یہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا خلیفہ مہدی ہے، اس کی بات سنو اور اس کا حکم مانو۔ اب تمام اَولیائے کرام رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم اور اہلِ اسلام آپ کے دَستِ مبارک پر بیعت کریں گے ۔ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ وہاں سے سب کو اپنے ہمراہ لے کر ملکِ شام تشریف لے جائیں گے۔ (ہمارا اسلام، علامات قیامت ، حصہ ۵، ص ۲۸۷)

سوال: یاجوج وماجوج کون ہیں؟

جواب: یاجوج وماجوج یافِث بن نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی اَولاد میں سے فسادی گروہ ہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، وہ زمین میں فساد کرتے تھے یہ ایّامِ ربیع میں نکلتے تھے کھیتیاں اور سبزیاں سب کچھ کھا جاتے تھے، آدمیوں بلکہ درندوں، وحشی جانوروں بلکہ

سانپوں، بچھوؤں تک کو کھا جاتے تھے، حضرتِ سیّدنا سکندر ذوالقرنین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو مؤمنِ صالح اور اللہ عَزَّوَجَل کے مقبول بندے اور تمام دنیا پر حکمران تھے، لوگوں نے ان سے یاجوج وماجوج کی شکایت کی چنانچہ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کی درخواست پر بنیاد کھدوائی، جب پانی تک پہنچ گئی تو اس میں پگھلائے ہوئے تانبے سے پتھر جمائے گئے اور لوہے کے تختے اوپر نیچے چن کر ان کے درمیان لکڑی اور کوئلہ بھروادیا اور آگ دے دی، اسی طرح یہ دیوار پہاڑ کی بلندی تک اونچی کر دی گئی اور اوپر سے پگھلا ہوا تانبہ دیوار میں پلا دیا گیا یہ سب مل کر ایک انتہائی سخت جسم ہو گیا، اس کی چوڑائی ساٹھ گز ہے اور لمبائی ڈیڑھ سو فرسنگ۔ شہنشاہِ اَبرار، شفیعِ روزِ شمار، دوعالَم کے مالک و مختار بِاِذنِ پروَردگار، غیبوں پر خبردار، جنابِ احمد مختار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا فرمانِ والا تبار ہے کہ یاجوج ماجوج روزانہ اس دیوار کو توڑتے ہیں اور دن بھر محنت کرتے ہیں، جب اس کے توڑنے کے قریب ہوتے ہیں تو ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ اب چلو! باقی کل توڑیں گے، دوسرے روز جب آتے ہیں تو وہ دیوار بحکمِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو چکی ہوتی ہے۔ پھر جب ان کے خُروج کا وقت آئے گا تو ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا اب چلو! باقی دیوار کل توڑیں گے اِنْ شَآءَاللہ عَزَّوَجَلَّ۔ چنانچہ ''اِنْ شَآءَاللہ'' عَزَّوَجَلَّ کہنے کا فائدہ یہ ہو گا کہ اس دن کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی اور اگلے روز انہیں دیوار اتنی ہی ٹوٹی ہوئی ملے گی جتنی گزشتہ روز توڑ گئے تھے، اب وہ باہر نکل آئیں گے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب فتنۃ الدجال، الحدیث: ۴۰۸۰، ج۴، ص۴۰۹)

سوال: یاجوج ماجوج کا خروج کب ہو گا؟

جواب: قتلِ دَجَّال کے بعد جب لوگ امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہوں گے تو اس وقت حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو حکمِ الٰہی ہو گا کہ مسلمانوں کو کوہِ طُور پر لے جائیں اس لئے کہ اب کچھ ایسے لوگ ظاہر کئے جائیں گے جن سے لڑنے کی کسی کو طاقت نہیں چنانچہ آپ عَلَیْہِ السَّلَام لوگوں کو لے کر قلعہ ٔطور پر تشریف لے جائیں گے، اس کے بعد یاجوج ماجوج ظاہر ہوں گے، ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو گی کہ ان کی پہلی جماعت جب بحیرۂ طبریہ پر سے (جس کا طول دس میل ہو گا) گزرے گی تو اس کا سارا پانی پی کر اس طرح سکھا دے گی کہ جب دوسری جماعت وہاں آئے گی تو کہے گی کہ یہاں کبھی پانی تھا ہی نہیں۔ غرض یہ لوگ ہر طرف پھیل کر فتنہ و فساد اور قتل و غارت برپا کریں گے پھر جب دنیا میں قتل و غارت کر چکیں گے تو کہیں گے کہ زمین والوں کو تو قتل کر لیا، آؤ! اب آسمان والوں کو بھی قتل کر دیں، یہ کہہ کر اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے، خدا عَزَّوَجَلَّ کی قدرت سے اُن کے تیر اوپر سے خون آلود گریں گے، یہ سمجھیں گے کہ آسمان والے بھی ہلاک ہو گئے۔

اِدھر یہ اپنی حرکتوں میں مشغول ہوں گے اور وہاں پہاڑ پر حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اپنے ساتھیوں کے ساتھ محصور ہوں گے۔ محصورین میں قحط کا عالَم یہ ہو گا کہ ان کے نزدیک گائے کے سَر کی وہ وقعت ہو گی جو آج سو اشرفیوں کی نہیں، اس وقت حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اپنے حواریوں کے ساتھ اس مصیبت سے چھٹکارے کی دُعا

فرمائیں گے ، اس پر اللہ عَزَّوَجَل یاجوج ماجوج کی گردنوں میں ایک قسم کے کیڑے پیدا کر دے گا جس کے سبب ایک ہی رات میں وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔

(ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۹۰)

سوال: یاجوج ماجوج کے ہلاک ہونے کے بعد کیا ہو گا؟

جواب: ان کے مرنے کے بعد جب حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اور ان کے اصحاب پہاڑ سے اتریں گے تو دیکھیں گے کہ تمام زمین ان کی لاشوں اور بدبو سے بھری پڑی ہے حتیٰ کہ ایک بالشت زمین بھی خالی نہ ہو گی، آپ عَلَیْہِ السَّلَام اپنے ہمراہیوں کے ساتھ پھر دعا فرمائیں گے، اللہ عَزَّوَجَل ایک سخت آندھی اور ایک خاص قسم کے پرندے بھیجے گا، وہ ان کی لاشوں کو جہاں اللہ عَزَّوَجَل چاہے گا پھینک آئیں گے اور ان کے تیر و ترکش کو مسلمان سات برس تک جلائیں گے، پھر اس کے بعد بارش ہو گی جس سے زمین بالکل ہموار ہو جائے گی۔ اور زمین کو حکم ہو گا کہ اپنی بَرَکتیں اگل دے تو یہ حالت ہو گی کہ انار اتنے بڑے بڑے پیدا ہوں گے کہ ایک اَنار سے ایک جماعت کا پیٹ بھرے گا اور اس کے چھلکے کے سائے میں دس آدمی بیٹھیں گے اور دُودھ میں یہ بَرَکت ہو گی کہ ایک اونٹنی کا دودھ جماعت کو کافی ہو گا اور ایک گائے کا دودھ قبیلے بھر کو اور ایک بکری کا خاندان بھر کو کفایت کرے گا۔ (ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۹۰)

سوال: حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کب تک دنیا میں قیام فرمائیں گے؟

جواب: حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام چالیس سال تک زمین میں امامتِ دِین و

حکومتِ عدل فرمائیں گے، اس میں سات سال دجال کی ہلاکت کے بعد کے ہیں، ان ہی میں آپ عَلَیْہِ السَّلَام نکاح فرمائیں گے، آپ عَلَیْہِ السَّلَام کی اَولاد بھی ہو گی۔ حضور تاجدارِ مدینہ، راحتِ قلب وسینہ، صاحبِ معطّر پسینہ، باعثِ نزولِ سکینہ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے مزارِ اَقدس پر حاضر ہو کر سلام عرض کریں گے، قبرِ انور سے سلام کا جواب آئے گا، پھر رَوحا کے راستہ سے حج یا عمرہ ادا فرمائیں گے۔ اس کے بعد آپ عَلَیْہِ السَّلَام وِصال فرما جائیں گے، مسلمان ان کی تجہیز کریں گے نہلائیں گے، خوشبو لگائیں گے کفن دیں گے، نماز پڑھیں گے اور ہمارے پیارے آقا و مولیٰ، حضور سیّد الانبیاء صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے پہلوئے مبارک میں، گنبدِ خَضرا کے سائے میں آپ عَلَیْہِ السَّلَام دفن کئے جائیں گے۔ (ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص۲۹۱)

سوال: دُھواں کب ظاہر ہو گا اور اس کا اثر کیا ہو گا؟

جواب: حضرتِ سیّدنا عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی وفات کے بعد قبیلۂ قحطان میں سے ایک شخص جہجاہ نام کے آپ عَلَیْہِ السَّلَام کے خلیفہ ہوں گے جو کہ یمن کے رہنے والے ہوں گے، ان کے بعد چند بادشاہ اور ہوں گے جن کے عہد میں پھر سے کفر و جہالت کا دَور دَورہ ہو جائے گا۔ اسی اَثناء میں ایک مکان مغرب میں اور ایک مشرق میں جہاں منکرین تقدیر رہتے ہوں گے زمین میں دھنس جائے گا، اس کے بعد آسمان سے دُھواں نمودار ہو گا جس سے آسمان سے زمین تک اندھیرا ہو جائے گا، یہ اندھیرا چالیس روز تک رہے گا، اس سے مسلمان زُکام میں مبتلا ہو جائیں گے جب کہ کافروں اور منافقوں پر بے ہوشی طاری

ہو جائے گی، بعض ایک دن کے بعد، بعض دو دن اور بعض تین دن کے بعد ہوش میں آئیں گے، پھر مغرب سے آفتاب طلوع ہو گا۔ (ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۹۲)

سوال: سورج مغرب سے کیسے طلوع ہو گا؟

جواب: روزانہ آفتاب بارگاہِ الٰہی عَزَّوَجَلَّ میں سجدہ کر کے اِذنِ طلوع چاہتا ہے، جب اِجازت ملتی ہے تب طلوع ہوتا ہے، قربِ قِیامت میں جب آفتاب حسبِ معمول طلوع کی اجازت چاہے گا تو اجازت نہ ملے گی اور حکم ہو گا کہ واپس جا، وہ واپس ہو جائے گا اور اس کے بعد ماہِ ذِی الْحِجَّه میں یومِ نَحر کے بعد رات اس قدر لمبی ہو جائے گی کہ بچّے چلّا اٹھیں گے، مسافر تنگدل اور مویشی چراگاہ کے لئے بے قرار ہو جائیں گے یہاں تک کہ لوگ بے چینی کی وجہ سے نالہ و زَاری کریں گے اور توبہ توبہ پکاریں گے، آخر تین چار رات کی مقدار دَراز ہونے کے بعد آفتاب مغرب سے اضطراب کی حالت میں چاند گرہن کی مانند تھوڑی روشنی کے ساتھ نکلے گا اور نصف آسمان تک آکر لَوٹ جائے گا اور جانبِ مغرب غروب ہو گا اس کے بعد پھر مشرق سے طلوع ہوا کرے گا۔ اس نشانی کے ظاہر ہوتے ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ کافر اپنے کفر سے یا گناہ گار اپنے گناہوں سے توبہ کرنا بھی چاہے گا تو توبہ قبول نہ ہو گی اور اس وقت کسی کا اِسلام لانا قابلِ قبول نہ ہو گا۔

(ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۹۲)

سوال: دَابَّةُ الْاَرْض کیا ہے اور یہ کب نکلے گا؟

جواب: دَابَّةُ الْاَرْض عجیب شکل کا ایک جانور ہو گا جو کوہِ صَفا سے بر آمد ہو کر تمام

شہروں میں بہت جلد پھرے گا اور ایسی تیزی سے دَورہ کرے گا کہ کوئی بھاگنے والا اس سے نہ بچ سکے گا، فصاحت کے ساتھ کلام کرے گا اور بزبانِ فصیح کہے گا: ''هٰذَا مُؤْمِنٌ وَّهٰذَا كَافِرٌ'' یہ مؤمن ہے اور یہ کافر ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں حضرتِ سیّدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا عصا اور دوسرے میں حضرتِ سیّدنا سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی انگوٹھی ہو گی۔ عصا سے ہر مسلمان کی پیشانی پر ایک نورانی خط بنائے گا جس سے سیاہ چہرہ نورانی ہو جائے گا اور انگوٹھی سے ہر کافر کی پیشانی پر سیاہ مہر لگائے گا جس سے اس کا چہرہ بے رونق ہو جائے گا۔ اس وقت تمام مسلمان وکافر علانیہ ظاہر ہوں گے، یہ علامت کبھی بھی نہ بدلے گی، جو کافر ہے ہر گز ایمان نہ لائے گا اور جو مسلمان ہے ہمیشہ ایمان پر قائم رہے گا۔ آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کے دوسرے روز لوگ اسی واقعہ کا چرچا کرنے میں مشغول ہوں گے کہ اچانک کوہِ صفا زلزلے سے پھٹ جائے گا اور یہ جانور نکلے گا۔ پہلے یمن میں پھر نجد میں ظاہر ہو کر غائب ہو جائے گا اور تیسری بار مکّہ معظمہ میں ظاہر ہو گا۔ (ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۹۳)

سوال: اس کے بعد پھر کیا ہو گا؟

جواب: جب قیامت قائم ہونے میں صرف چالیس سال رہ جائیں گے ایک خوشبو دار ٹھنڈی ہوا چلے گی جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے سے نکلے گی، جس کا اثر یہ ہو گا کہ مسلمان کی روح قبض ہو جائے گی یہاں تک کہ کوئی اہلِ ایمان اہلِ خیر نہ ہو گا اور کافر ہی کافر رہ جائیں گے، کفّارِ حبشہ کا غلبہ ہو گا اور ان کی سلطنت ہو گی حکام کا ظلم اور رِعایا کی ایک دوسرے پر دَست دَرازِی رفتہ رفتہ بڑھ جائے گی، بت پرستی عام ہو گی اور قحط اور وَبا کا ظہور ہو گا۔ اس

وقت ملک شام میں کچھ اَمن ہو گا، دیگر ممالک کے لوگ اہل وعیال سمیت ملکِ شام کو روانہ ہوں گے، اسی اثناء میں ایک بڑی آگ جنوب سے نمودار ہو گی، وہ ان کا تعاقب کرے گی، یہاں تک کہ وہ شام میں پہنچ جائیں گے، پھر وہ آگ غائب ہو جائے گی، یہ چالیس سال کا زمانہ ایسا گزرے گا کہ اس میں کسی کے اَولاد نہ ہو گی۔ یعنی چالیس سال سے کم عمر کا کوئی نہ ہو گا اور دنیا میں کافر ہی کافر ہوں گے، اللہ عَزَّوَجَلَّ کہنے والا کوئی نہ ہو گا کہ اچانک جُمُعہ کے روز جو کہ یومِ عاشورہ بھی ہو گا (یعنی دس محرم الحرام) اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے کہ صبح کے وقت اللہ تَعَالٰی حضرتِ سیّدنا اسرافیل عَلَیْہِ السَّلَام کو صور پھونکنے کا حکم دے گا اور کافروں پر قیامت قائم ہو گی۔ (ہمارا اسلام، علامات قیامت، حصہ ۵، ص ۲۹۳)

صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب! صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد

تمت بالخیر

بِحَمْدِہٖ تَعَالیٰ

"اَلْفِقْهُ الْاَكْبَر"

کی اردو شرح بنام

"القول الاظہر"

کا آغاز

21 شعبان المعظم 1441 ہجری بروز جمعرات pm 3:50 بمطابق 16. اپریل 2020ء کو

ہوا۔

اور 11 دن کی محنت کے نتیجے میں

3 رمضان المبارک 1441 ہجری شب پیر بمطابق 27 اپریل 2020ء رات PM 1:13 پر

اختتام پذیر ہوئی۔

صَلُّوا عَلَى الْحَبِيْب!

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُحَمَّد

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

تہتر فرقے

سوال: امتِ محمدیہ میں کتنے فرقے ہیں؟

جواب: حدیث شریف میں ہے۔ سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِی ثلثًا و سَبْعِیْنَ فِرْقَةً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلّاوَاحِدَةً (یعنی میری) "یہ امت تہتر فرقے ہو جائے گی ایک فرقہ جنتی ہو گا باقی سب جہنمی" صحابہ نے عرض کی "مَنْ ھُمْ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "وہ ناجی (نجات پانے والا) فرقہ کون ہے یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)"۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایامَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی "وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں" (یعنی سنت کے پیروکار) دوسری روایت میں "ھُمُ الجماعة "وہ جماعت ہے یعنی مسلمانوں کا بڑا گروہ جسے سوادِ اعظم فرمایا اور فرمایا جو اس سے الگ ہوا جہنم میں الگ ہوا، اسی وجہ سے اس ناجی فرقہ کا نام اہل سنت و جماعت ہوا۔ (بہارِ شریعت جہیز ایڈیشن، حصہ اول، ج ۱، ص ۴۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ)

امتِ محمدیہ میں کل تہتر فرقے ہیں، اور دراصل یہ سب دس گروہوں سے نکلے ہیں:

(۱)۔۔ اہلِ سنت۔ (۲)۔۔ خارجی۔ (۳)۔۔ شیعہ۔ (۴)۔۔ معتزلہ۔ (۵)۔۔ مرجیہ۔

(۶)۔۔ مشبہہ۔ (۷)۔۔ جہمیہ۔ (۸)۔۔ ضراریہ۔ (۹)۔۔ نجاریہ۔ (۱۰)۔۔ کلابیہ۔

سوال: ان دس گروہوں کی تفصیل بیان کریں۔

جواب: ان دس گروہوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(۱)۔۔۔ اہلِ سنت: الحمدللہ عزوجل اہلِ سنت کا صرف ایک ہی طبقہ ہے۔

(۲)۔۔۔خارجی: خوارج کے پندرہ فرقے۔

(۳)۔۔۔شیعہ: شیعہ کے بتیس فرقے۔

(۴)۔۔۔معتزلہ: معتزلہ کے چھ فرقے۔

(۵)۔۔۔مرجیہ: مرجیہ کے بارہ فرقے۔

(۶)۔۔۔مشبہہ: مشبہہ کے تین فرقے۔

(۷)۔۔۔جہمیہ: جہمیہ کا ایک فرقہ۔

(۸)۔۔۔ضراریہ: ضراریہ کا ایک فرقہ۔

(۹)۔۔۔نجاریہ: نجاریہ کا ایک فرقہ۔

(۱۰)۔۔۔کلابیہ: کلابیہ کا ایک فرقہ۔(غنیۃ الطالبین ص۱۷۷)

سوال: خارجی سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟

جواب: خارجیوں کے نام اور القاب مختلف ہیں، اس گروہ کو خارجی کہنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا، ان کا نام حکمیہ بھی ہے، اس لئے کہ انہوں نے حضرتِ ابو موسی اشعری اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے حکم ہونے کا انکار کیا تھا، اور جب حضرتِ علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو حکم مان لیا تو خارجیوں نے کہا ''حکم دینا صرف اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے، کسی کو خلیفہ کے تقرر کے متعلق فیصلہ صادر کرنے کا حق نہیں ہے''۔

خارجیوں کے عقائد: خلفاء کے خلاف انہوں نے تلوار اٹھائی، اور ان کے خون و مال کو حلال قرار دیا، اپنے مخالفین کو کافر کہا، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب و انصار پر سب و شتم کیا، اور ان سے تبرا (بیزاری کا اظہار) کیا، ان حضرات کو کافر ہو جانے اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہونے کی نسبت کی، ان کی مخالفت کو جائز قرار دیا، یہ لوگ عذابِ قبر اور حوض کوثر پر ایمان نہیں رکھتے، نہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت پر ایمان رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو ایک دفعہ دوزخ میں داخل ہو گیا وہ پھر خارج نہیں ہو گا، اور کہتے ہیں کہ جس نے ایک دفعہ جھوٹ بولا یا گناہِ صغیرہ یا کبیرہ کا مرتکب ہوا اور بغیر توبہ کئے مر گیا تو وہ کافر ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا وغیرہ وغیرہ۔ (غنیۃ الطالبین ص۱۷۷)

سوال: روافض سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟

جواب: رافضی کی جمع روافض ہے، مراد اس سے شیعہ حضرات ہیں، یہ انتہائی گستاخ اور بے باک فرقہ ہے، ان لوگوں نے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کی خاطر شرعی احکام کو توڑ موڑ کر اور احادیث میں ردوبدل کر کے اپنی فقہ ایجاد کر لی ہے، ان کے عقائد گمراہ کن اور کفریات پر مبنی ہیں مثلاً "(i) مُردے دوبارہ دنیا میں آئیں گے، (ii) روح دوسرے بدن میں آئے گی (iii) اللہ تَعَالیٰ کی روح، آئمہ اہل بیت میں منتقل ہوئی ہے (iv) امام باطن خروج کریں گے (v) امام باطن کے خروج تک امر و نہی احکام معطل رہیں گے (vi) حضرت جبریل علیہ السلام سے حضرت علی کے مقابلے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لانے میں غلطی ہوئی ہے" (معاذاللہ) انہی کفریہ عقائد کی بناء پر ان کی تکفیر نہایت

ضروری ہے۔ یہ لوگ ملّتِ اسلامیہ سے خارج ہیں اور مرتدین کے احکام ان پر لاگو ہوں گے۔(ماخوذاز "فتاوی رضویہ "جدید، ج۱۴، ص۱۲۸، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

سوال: معتزلہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟

جواب: معتزلہ کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگ حق سے کنارہ کش ہو گئے تھے (اعتزال کنارہ کش ہو جانے کو کہتے ہیں) معتزلہ ایک گمراہ فرقہ ہے اس کا وجود حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ہوا۔ "معتزلہ": اعتزال سے اسم فاعل ہے، اعتزال کے معنی ہیں الگ ہونا۔ اہل سنت والجماعت کے عقائد سے الگ ہو جانے کی بنا پر یہ فرقہ "معتزلہ" کہلایا۔ اس کا بانی واصل بن عطاء ہے۔ معتزلہ کے مذہب کی بنیاد عقل پر ہے وہ خود کو اصحاب العدل والتوحید کہتے ہیں اور نقل پر عقل کو ترجیح دیتے ہیں۔ عقل کے خلاف قطعیات میں تاویلات کرتے ہیں اور ظنیات کا انکار کرتے ہیں۔ اس فرقے کے عقائد میں سے چند یہ ہیں:

معتزلہ کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب، ایمان سے خارج ہو جاتا ہے مگر وہ کفر میں داخل نہیں ہوتا یعنی نہ وہ مؤمن رہتا ہے نہ کافر، جب کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج تو نہیں ہوتا؛ البتہ وہ کامل مؤمن نہیں رہتا، اسی طرح معتزلہ کے عقائد میں سے ہے کہ جو لوگ اللہ تعالی کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں ان کو ثواب دینا اور ان کو جنت میں داخل کرنا اللہ تعالی پر واجب ہے اور جو لوگ گناہ گار ہیں ان کو سزا دینا اور ان کو جہنم میں داخل کرنا اللہ تعالی پر واجب ہے یہ عدل کا تقاضہ ہے جب کہ اہل

سنت و الجماعت کہتے ہیں کہ اللہ تعالی پر کوئی چیز واجب نہیں، مطیع اور عاصی سب اللہ کے بندے اور اس کے مملوک ہیں اور مالک کو اپنی ملکیت میں ہر تصرف کا اختیار ہوتا ہے، اگر اللہ تعالی عاصی کو جہنم میں ڈال دے تو یہ اس کا عدل ہے اور اگر معاف کر دے اور جنت میں داخل کر دے تو یہ اس کا فضل ہے۔

معتزلہ اللہ تعالی کی صفات علم، حیات، قدرت وغیرہ کا بھی انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی ذات قدیم ہے اور صفات کو قدیم ماننے کی صورت میں تعدد قدماءلازم آتا ہے اور یہ توحید کے منافی ہے اس لئے صفات کا انکار کرتے ہیں لیکن اہل سنت والجماعت اس کا جواب دیتے ہیں کہ صفات کو قدیم ماننا یہ توحید کے منافی نہیں، جو توحید کے منافی ہے وہ ذوات قدیم کا تعدد ہے جو یہاں لازم نہیں آتا۔ معتزلہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی بندوں کے افعال کا خالق نہیں ہے بلکہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک بندہ صرف کاسب ہے اور خالق اللہ تعالی ہی ہے۔ وغیرہ۔

سوال: مرجیہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟

جواب: مرجیہ کی وجہِ تسمیہ یہ ہے کہ اس فرقے کے خیال میں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ" کا قائل خواہ کتنے ہی گناہ کرے مگر وہ دوزخ میں نہیں جائے گا، کہ ایمان قول کا نام ہے عمل کا نہیں، اعمال احکام ہیں، ایمان صرف قول ہے، لوگوں کے ایمانوں میں باہم کمی بیشی نہیں ہوتی، پس عام لوگوں کا ایمان، انبیاء کا ایمان اور ملائکہ کا ایمان ایک ہی ہے

اس میں نہ کوئی زیادہ ہے نہ کوئی کم۔ اظہار ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں کہنا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔ (غنیۃ الطالبین ص ۱۸۴)

سوال: وہابی سے مراد کون لوگ ہیں؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟

جواب: محمد بن عبد الوھاب نجدی کے ماننے والوں کو وھابی یا نجدی کہتے ہیں اس فرقہ کے لوگ، خیالاتِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ رکھتے ہیں، ابن عبد الوھاب نجدی نے اہل سنت وجماعت سے قتل و قتال کو جائز قرار دیا، ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنانا بھی جائز کہا۔ سلف صالحین کی شان میں گستاخی و بے ادبی کو اپنا وطیرہ خاص بنایا، تمام مسلمانانِ عالم کو مشرک قرار دیا اور ان سے ان کے اموال چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب قرار دیا، اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں کہا کہ " وہ مر کر مٹی ہوگئے " ان کو کچھ خبر نہیں "، " نبی علیہ السلام کا نماز میں خیال آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اور بیل گدھے کا آئے تو نہیں ٹوٹتی "۔ " شیطان کا علم حضور علیہ السلام کے علم سے بڑھ کر ہے "۔ " خدا جھوٹ بول سکتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے " وغیرہ وغیرہ۔

(ملخص از تاریخ نجد وحجاز از مفتی محمد عبد القیوم قادری قدس سرہ،، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

سوال: نیچری سے مراد کون لوگ ہیں؟ اور ان کے عقائد کیا ہیں؟

جواب: یہ فرقہ، مولوی اسماعیل دہلوی کے معتقدین و متبعین کا ایک مخصوص ٹولہ ہے اس کا سنگ بنیاد سر سید احمد خان علی گڑھی نے رکھا تھا اس کا مرکز " علی گڑھ کالج " قرار پایا موصوف کے معاونین میں سر آغا خان، خواجہ الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی

اور مولانا سمیع اللہ خاں دہلوی وغیرہ حضرات تھے۔مذہبی معاملات میں ان کے مِشن کو مولوی چراغ علی ،رائٹ آنریبل،سید امیر علی چنسوری،وقارالملک (نواب مشتاق حسین)، محسن الملک (سید مہدی علی خاں)اور ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ نے پروان چڑھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی ،بلکہ ہمہ وقت نیامذہب گھڑنے اور مقدس اسلام کو ذبح کرنے میں مصروف رہے۔یہ فرقہ ،عقیدۂ رسالت اور احادیث مطہرہ کے خلاف ایک چیلنج ہے۔قرآنی تعلیمات کے علمبردار ہونے کا مدعی لیکن کلام الٰہی کے خلاف پراسرار سازش ہے، دعوٰی مسلمان ہونے کا ہے لیکن ان کے نظریات اسلامی تعلیمات کو مسخ کرتے ہیں، نیچری فرقے کے چند عقائد ملاحظہ فرمائیں۔(i) قرآن کی کوئی آیت یا اس کا حکم کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں۔(ii) اجماع وقیاس حجت شرعی نہیں۔(iii) تقلید واجب نہیں۔(iv) شیطان یا ابلیس سے مراد کوئی وجود نہیں بلکہ انسان کے نفسِ امارہ یا قوتِ بہیمیہ کا نام ہے۔(v) چونکہ خبرِ واحد صدق وکذب کا احتمال رکھتی ہے اس لئے اسلام، خبر احاد کی بناء پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دہ نہیں ۔(vi) کفار کی وضع وقطع اختیار کرنا شرعاً ممنوع نہیں ۔(vii) معراج اور شقِ صدر کے واقعات خواب میں پیش آئے۔(viii) حضرت آدم علیہ السلام، ملائکہ اور ابلیس کا جو قصہ قرآن میں ذکر ہوا وہ کسی واقعہ کی خبر نہیں بلکہ ایک تمثیل ہے۔(ix) معجزہ، نبوت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔(x) رؤیتِ باری تعالٰی کسی طرح بھی ممکن نہیں ۔(xi) پرامیسری نوٹوں پر سود لینا جائز ہے۔ (xii) شہدا زندہ نہیں ہوتے۔(xiii) حضرت عیسٰی علیہ السلام کا بن باپ کے پیدا ہونا کسی آیت سے ثابت

نہیں۔(xiv)چور کے لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا جو قرآن میں بیان ہوئی، ضروری نہیں۔
(xv) قرآن میں ذکر کردہ جِنّات سے مراد صحرائی لوگ ہیں نہ کہ دیو، بھوت وغیرہ۔
(ملخص از برطانوی مظالم کی کہانی عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری کی زبانی، جنرل پرنٹرز، لاہور)

سوال: غیر مقلد سے مراد کون لوگ ہیں؟

جواب: صدر الشّریعہ بدرالطّریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ اس نئے مذہب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ "یہ ایک نیا فرقہ ہے جو ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوا اس مذہب کا بانی محمد بن عبدالوہاب نجدی تھا جس نے تمام عرب خصوصًا حرمین شریفین میں بہت شدید فتنے پھیلائے، علماء کو قتل کیا، صحابۂ کرام وآئمہ علماء وشہدا کی قبریں کھود ڈالیں، روضہ انور کا نام معاذاللہ صنم اکبر رکھا تھا یعنی "بڑا بت" اور طرح طرح کے ظلم کئے۔ جیسا کہ صحیح حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ نجد (موجودہ نام "ریاض") سے فتنے اٹھیں گے اور شیطان کا گروہ نکلے گا، وہ گروہ بارہ سو برس بعد یہ ظاہر ہوا، علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ نے اسے خارجی بتایا، اس عبدالوہاب کے بیٹے نے ایک کتاب لکھی جس کا نام توحید رکھا، اس کا ترجمہ ہندوستان میں اسماعیل دہلوی نے کیا جس کا نام "تقویۃ الایمان" رکھا اور ہندوستان میں اسی نے وہابیت پھیلائی۔ ان وہابیہ کا ایک بہت بڑا عقیدہ یہ ہے کہ جو ان کے مذہب پر نہ ہو وہ کافر، مشرک ہے یہی وجہ ہے کہ بات بات پر محض بلاوجہ مسلمان پر حکمِ شرک وکفر لگایا کرتے اور تمام دنیا کو مشرک بتاتے ہیں۔
(ملخص از:۔ بہار شریعت، جہیز ایڈیشن حصہ اول ص۵۵۔۵۴ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

غیر مقلدیت بھی وہابیت کی ایک شاخ ہے چند عقائد کے علاوہ باقی تمام عقائد میں شریک ہیں، غیر مقلدین حضرات نے چاروں مذہبوں سے جدا تمام مسلمانوں سے الگ ایک نئی راہ نکالی ہے کہ تقلید کو حرام وبدعت کہتے ہیں اور ائمہ دین کو گالیاں دیتے ہیں لیکن حقیقتاً یہ تقلید سے خالی نہیں کیونکہ یہ آئمہ دین کی تقلید تو کرتے نہیں مگر شیطان لعین کے ضرور مقلِّد ہیں اسی طرح یہ لوگ قیاس کے بھی منکر ہیں اور حکم شرعی کی روسے قیاس کا مطلقاً انکار کفر ہے۔(ملخص از بہار شریعت جہیز ایڈیشن، حصہ اول، ص۶۱، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

صَلُّوا عَلَی الْحَبِیْب!
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الحمد للہ اللطیف و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الشفیق اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ وعلی الک و اصحابک یا حبیب اللہ ﷺ

اصلاحی و تبلیغی خطبات کا ایک منفرد و مقبول گلدستہ

خطباتِ مصطفائی

و

خطباتِ شفیقی

(حصہ اوّل)

آپ اس کتاب میں ان عنوان پر خطاب ملاحظہ فرمائیں گے:

	خطباتِ مصطفائی		خطباتِ شفیقی
1	عظمتِ رسالتِ مآب ﷺ	1	محمد ﷺ اللہ کے مظہر ہیں
2	ذکر کی فضیلت اور اس کے اثرات	2	جمیع عالم برائے مصطفی ﷺ
3	ولی کی پہچان	3	امت کا معنی اور اس کا مفہوم
4	سنّت اور بدعت	4	امت محمدیہ کی عمر کم کیوں رکھی گئی
5	نورِ حِسّی اور نورِ معنوی	5	اعلی حضرت کا عشق رسول ﷺ
6	تفسیر سورۂ تکاثر	6	تفسیر سورۂ کوثر: محبوب ہم نے تم کو سب کچھ دیا

خطیبِ اوّل: مبلغ اسلام پیرزادہ محمد رضا ثاقب مصطفائی

خطیبِ ثانی و مرتب: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

الحمد للہ اللطیف و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الشفیق اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ و السلام علیك یا رسول اللہ ﷺ و علی الك و اصحابك یا حبیب اللہ ﷺ

اصلاحی و تبلیغی خطبات کا ایک منفرد و مقبول گلدستہ

خطباتِ مصطفائی

و

خطباتِ شفیقی

(حصہ دوم)

آپ اس کتاب میں ان عنوان پر خطاب ملاحظہ فرمائیں گے

	خطباتِ مصطفائی		خطباتِ شفیقی
7	حب رسول ﷺ اور اس کے تقاضے	7	شانِ مصطفی ﷺ
8	منیٰ سے کربلا تک	8	مصطفی ﷺ دنیا کی جان ہیں
9	آؤ در توّاب پے روتے ہوئے آؤ	9	اللہ عزوجل سے محبت کیجئے
10	اہلِ تقوی اور جنت	10	ماں باپ کے حقوق
11	فلسفۂ رمضان	11	اعلی حضرت کا چرچا رہے گا
12	تفسیر سورۂ بلد	12	تفسیر سورۂ عصر، قیامت کا بیان

خطیبِ اوّل: مبلغ اسلام پیرزادہ محمد رضا ثاقب مصطفائی

خطیبِ ثانی و مرتب: مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

الحمد للہ اللطیف و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الشفیق اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و علی الک و اصحابک یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اصلاحی و تبلیغی خطبات کا ایک منفرد و مقبول گلدستہ

خطباتِ مصطفائی

و

خطباتِ شفیقی

(حصہ سوم)

آپ اس کتاب میں ان عنوان پر خطاب ملاحظہ فرمائیں گے

	خطباتِ مصطفائی		خطباتِ شفیقی
13	اثبات وجودِ باری تعالی	13	حدیث کی اہمیت
14	نفس اور شیطان	14	نسبت کا بیان
15	اسلام میں احترام آدمیت	15	سرکار صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے
16	ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے	16	اللہ عزوجل کے نام پر مانگنا
17	مقصدِ حج	17	آؤ توبہ کریں
18	تفسیر سورۂ مائدہ	18	تفسیر سورۂ ملک، موت و حیات

خطیبِ اوّل: **مبلغ اسلام پیرزادہ محمد رضا ثاقب مصطفائی**

خطیبِ ثانی و مرتب: **مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری**

الحمد للہ اللطیف و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الشفیق اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ و علی الک و اصحابک یا حبیب اللہ ﷺ

شَارِقُ الْفَلَاح

شَرح

نُوْرُالْاِیْضَاح

اس کتاب میں آپ ملاحظہ کریں گے

☆... مصنف کا تعارف ☆... شارح کا تعارف

☆... فقہی اصطلاحات ☆... بنیادی باتیں

☆... صاحبِ نور الایضاح کے غیر مفتی بہ اقوال ☆... عبارت مع اعراب

☆... سلیس اردو ترجمہ ☆... سوالاً جواباً عبارت کی شرح

مصنف

شیخ ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی المصری

الشرنبلالی الحنفی (متوفی ۱۰۶۹ھ) (علیہ رحمۃ اللہ القوی)

شارح

مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

الحمد للہ اللطیف و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الشفیق اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ و علی الک و اصحابک یا حبیب اللہ ﷺ

دلچسپ معلومات کا ایک اچھوتا انداز "سب سے پہلے فلاں کام کس نے کیا" پر مشتمل کتاب بنام

سب سے پہلے
سب سے افضل

اس کتاب میں آپ ملاحظہ کریں گے

☆... سب سے پہلے کس نے منبر پر خطبہ پڑھا؟

☆... سب سے پہلے کس نے ثرید تیار کیا؟

☆... سب سے پہلے کس نے ہتھیار بنائے؟

☆... اسلام میں سب سے پہلی مسجد کس نے بنائی؟

☆... اسلام میں سب سے پہلا خطبہ کون سا پڑھا گیا؟

☆... سب سے پہلے قلم نے کیا لکھا؟

☆... دنیا میں سب سے افضل دن کب ہوتا ہے؟

☆... سب سے افضل متولی کون ہے؟

☆... سب سے پہلے کس نے راہِ خدا میں جہاد کیا؟

☆... سب سے پہلے ترازو کس نے بنایا؟

☆... سب سے پہلے "اَمَّا بَعْدُ" کس نے کہا؟

☆... اسلام میں سب سے پہلی سولی کس کو دی گئی؟

☆... سب سے پہلے کس نے تاج شاہی اپنے سر پر رکھا

☆... سب سے افضل چوپایہ کون سا ہے؟

☆... سب سے افضل علم کون سا ہے؟

☆... سب سے افضل کمائی کون سی ہے؟

☆... راہب کے ۶۲ سوالات اور ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات ☆

مصنف

مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

الحمد للہ اللطیف و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الشفیق اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ و السلام علیك یا رسول اللہ ﷺ وعلی الك و اصحابك یا حبیب اللہ ﷺ

شفیق المصباح

شرح

صراح الارواح

علم صرف کی بہترین کتاب جس میں صرف کے قاعدوں کی علتیں بیان کی گئی ہیں۔

اس کتاب میں عربی عبارت پر اعراب و اردو ترجمہ کے ساتھ ساتھ سوالاً جواباً

تشریح پیش کی گئی ہے جو اپنے اعتبار سے بڑی مفید و دلچسپ ہے۔

مصنف

الشیخ احمد بن علی بن مسعود (علیہ رحمۃ اللہ الودود)

شارح

مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

الحمد للہ اللطیف و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الشفیق اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ و علی الک و اصحابک یا حبیب اللہ ﷺ

فقہ حنفی کی دلائل پر مشتمل احادیث کی مستند کتاب معانی الاثار کی اردو شرح بنام

عرفان الاثار
شرح
معانی الاثار

اس کتاب میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے

☆... مصنف کا تعارف
☆... شارح کا تعارف
☆... متن مع اعراب
☆... متن کا سلیس اردو ترجمہ
☆... اختلافِ فقہائے کرام مع دلائل
☆... ترجیحاتِ مذہبِ احناف

مصنف

ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ المعروف امام طحاوی رضی اللہ عنہ

شارح

مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

الحمد للہ اللطیف و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الشفیق اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ و علی الک و اصحابک یا حبیب اللہ ﷺ

امامت ٹیسٹ کی تیاری کرنے کے لئے بہترین کتاب بنام

نصاب

مسائلِ نماز

سوالاً جواباً

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے:

☆... اپنی ضرورت کا علم سیکھنا فرض ہے!

☆... حصولِ علم کے ذرائع

☆... چندے کے مسائل

☆... شرائطِ نماز

☆... فرائضِ نماز

☆... واجبات نماز

☆... مفسداتِ نماز

☆... مکروہاتِ نماز

☆... امامت کی شرائط

☆... اقتداء کی شرائط

☆... مسائلِ نمازِ جمعہ

☆... مسائلِ نمازِ عیدین

☆... مسائلِ شرعی مسافر

☆... مسائلِ نمازِ جنازہ

☆... مسائلِ سجدۂ تلاوت

☆... مسائلِ اذان و اقامت

☆... مسائلِ لقمہ

☆... چاند کب نکلے گا

مرتب

مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

الحمد للہ اللطیف و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الشفیق اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوۃ و السلام علیك یا رسول اللہ ﷺ و علی الك و اصحابك یا حبیب اللہ ﷺ

جدید دور میں جدید وقدیم تدریس کے طریقوں کا مجموعہ

تدریس کے

26 طریقے

آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے:

☆...تدریس کیا ہے؟
☆...تدریس کے ۲۶ طریقے
☆...انمول باتیں
☆...انمول سوالات
☆...انمول حکمتیں
☆...انمول پہیلیاں
☆...انمول حکایات

مصنف

مولانا ابو شفیع محمد شفیق خان عطاری مدنی فتحپوری

یادداشت

ش	عنوان	صفحه